دیوان نین سکھ

مرتبہ

ڈاکٹر ظفر اقبال

انجمن ترقی اردو (ہند)، نئی دلی

دیوان نین سکھ

دیوان نین سُکھ

مُرتبہٗ

ڈاکٹر ظفر اقبال

انجمن ترقی اردو (ہند)، نئی دلّی

سلسلۂ مطبوعات انجمن ترقی اردو ہند ۱۴۲۴

سنۂ اشاعت : ـــــــــ ۱۹۹۲ء
قیمت : ـــــــــ ۳۵ روپے
بہ اہتمام : ـــــــــ ایم۔ حبیب خاں
تزئین کار : ـــــــــ انیس احمد
طباعت : ـــــــــ ثمر آفسیٹ پرنٹرز، نئی دلّی

DIWAN-E- NAIN SUKH

Edited : by Dr. ZAFAR IQBAL

Rs : 35/-

1992

ISBN 81-7160-044-1

BOOK DEPOT BRANCH:
ANJUMAN TARAQQI URDU (HIND)
URDU BHAWAN, 2ND FLOOR,
CHOWHATTA, PATNA-800-004.

Head Office:
ANJUMAN TARAQQI URDU (HIND)
URDU GHAR, ROUSE AVENUE,
NEW DELHI - 110 002.

فہرست

حرفِ آغاز

اردو میں قدیم متون کی طباعت اسی وقت سے شروع ہوگئی تھی جب ہندوستان میں پریس کا رواج ہوا اگرچہ سرسید نے ابوالفضل کی 'آئینہ اکبری' مرتب کر کے متنی تنقید کی روایت کا باقاعدہ آغاز کردیا تھا لیکن اس فن کو مقبولیت حاصل نہیں ہوسکی۔ آئینہ اکبری کی طباعت کے ۶۰،۷۰ سال بعد مولوی عبدالحق نے اردو میں متنی تنقید کا آغاز کیا۔ انھوں نے انجمن ترقی اردو ہند کے زیر اہتمام بڑی تعداد میں اردو تذکروں، دکن اور شمالی ہند کے شاعروں کے دواوین اور دکن کی بعض نثری تصنیفات کے تنقیدی اڈیشن شایع کیے۔ ہمارے متنی نقادوں میں مولانا امتیاز علی خاں عرشی، قاضی عبدالودود، حافظ محمود شیرانی، مالک رام صاحب، پروفیسر نذیر احمد اور رشید حسن خاں صاحب وغیرہ خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ یہ دلچسپ حقیقت ہے کہ یہ فن ہمیشہ ہی سے ہماری دانش گاہوں کی حدود سے باہر رہا۔ اردو میں جتنے بھی اعلادرجے کے متنی نقاد پیدا ہوئے ہیں ان کا درس و تدریس سے کوئی تعلق نہیں رہا۔ یہ بات میں نے اس لیے کہی کہ کچھ دن سے یونیورسٹی کے اساتذہ اب اس طرف توجہ کررہے ہیں اور یہ متنی تنقید کے حق میں بہت اچھا ہے۔

کراچی یونیورسٹی کے شعبۂ اردو کے استاد ڈاکٹر ظفر اقبال نے ایک غیر معروف کلاسیکی شاعر نین سکھ کا دیوان مرتب کیا ہے۔ اس شاعر کے نام سے شاید ہی کوئی اسکالر واقف ہو۔ ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور نے تذکرہ مخطوطات اردو میں نین سکھ نامی ایک شاعر کا ذکر کیا ہے لیکن غالباً وہ کوئی اور شاعر ہے وہ نہیں جس دیوان کا ظفر اقبال صاحب نے تنقیدی اڈیشن تیار کیا ہے۔ نین سکھ کے دیوان کا ابھی صرف ایک ہی نسخہ دریافت ہوا ہے۔ متنی تنقیدوں کے اصولوں کے پیش نظر متنی نقاد کے پاس اگر صرف ایک ہی متن ہو تو کام مشکل بھی ہوجاتا ہے اور آسان بھی۔ مشکل یہ ہوتی ہے کہ اگر ہمارے پیشِ نظر دو یا دو سے زیادہ متن ہوتے ہیں۔ تو عبارت پڑھنا آسان ہوجاتا ہے۔

کیوں کہ اگر ایک متن میں عبارت غیر واضح ہو تو دوسرے متن سے مدد لی جا سکتی ہے اور اگر صرف ایک ہی متن ہو تو متنی نقاد کو قیاسی تصحیح کا بہت زیادہ سہارا لینا پڑتا ہے۔

اقبال صاحب نے نین سکھ کے دیوان کا زیر نظر تنقیدی اڈیشن بڑی محنت اور دیدہ ریزی سے تیار کیا ہے۔ مقدمے میں انھوں نے متن اور شاعر سے متعلق تمام اہم مباحث کا احاطہ کر لیا ہے۔ یہ دیوان قدیم اردو کی ادبی اور لسانی خصوصیات کے سلسلے میں بہت اہمیت رکھتا ہے۔

ظفر اقبال صاحب اٹھارہویں صدی کے بعض اہم شاعروں کے دیوانوں کا تنقیدی اڈیشن تیار کر رہے ہیں۔ ہمیں افسوس ہے کہ اردو میں یہ کام بہت کم ہوا ہے۔ ہم نے غالب، اقبال اور انیس کا کافی حد تک حق ادا کر دیا لیکن میر، سودا، خواجہ میر درد اور مومن وغیرہ ابھی تک ہمارے متنی نقادوں کی توجہ کے طالب ہیں۔ خدا کرے ظفر اقبال صاحب اپنے مقصد میں کامیاب ہوں۔

خلیق انجم

۳۰ جون ۱۹۹۲ء

تعارف

ڈاکٹر ظفر اقبال، کراچی یونیورسٹی کے شعبۂ اردو میں لکچرر ہیں، آج کل مہمان استاد کی حیثیت سے ٹوکیو یونیورسٹی، جاپان کے شعبۂ اردو میں طلبا کو درس دے رہے ہیں۔ اپنی کم عمری کے باوجود درس و تدریس کے ساتھ ساتھ تحقیق کا بھی شوق رکھتے ہیں۔ وہ آج کل بعض قدیم متون' دیوان احسن اللہ بیان' دیوان آبرو، دیوان قدرت اللہ قدرت اور مبتلا کا تذکرہ طبقاتِ سخن مرتب کرنے میں مصروف ہیں۔ طبقات سخن کے نسخۂ شاہجہاں پور کی نقل اور نسخۂ برلین کا عکس انھوں نے فراہم کرلیا ہے۔ ان سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ ان اہم اور قدیم مخطوطات پر پوری توجہ دیں گے اور تصحیح و تحشیے کا حق ادا کرنے کی کوشش کریں گے۔

دیوان نین سکھ کی ترتیب ان کی تازہ کوشش ہے یہ کام انھوں نے اردو کے علاقے سے بہت دور جاپان میں بیٹھ کر کیا ہے۔ جہاں اردو کے مصادر بہت کم ہوں گے، اگر یہ کام وہ کراچی، لاہور میں کرتے تو ان متعدد مراجع سے انھیں مستفید ہونے کے مواقع ملتے جو فی الحال، میرا خیال ہے، ان کی دسترس میں نہیں۔

نین سکھ کی شخصیت فی الحال مجہول ہے، اس کا اصل نام یہی تھا یا کچھ اور کہا نہیں جا سکتا، اس کے سنین ولادت و وفات بھی معلوم نہیں، کہاں کا رہنے والا تھا، شاعری میں کس سے شرف تلمذ حاصل تھا، کچھ پتا نہیں۔ اس کی زندگی کے حالات پردۂ تاریکی میں ہیں۔ اردو شعرا کے تذکرے جو اس وقت ہمارے پیشِ نظر ہیں۔ اس کے ذکر سے خالی ہیں۔

ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور مرحوم کے تذکرۂ مخطوطات اردو میں جس نین سکھ کا ذکر ہے، جس نے صف شکن خاں مجاہد جنگ ارمان حیدرآبادی کے صوبہ دار مقرر ہونے پر ایک قطعۂ تاریخ فارسی

زبان میں ۱۱۹۶ھ میں لکھا تھا، مرتب کے خیال میں وہ، نین سکھ صاحبِ دیوان سے مختلف ہے۔ میں فی الحال اس سلسلے میں کچھ کہنے سے قاصر ہوں، لیکن انھوں نے اس کے جو دلائل پیش کیے ہیں وہ قطعی نہیں اور ان سے اختلاف کیا جا سکتا ہے:

۱۔ وہ لکھتے ہیں کہ صف شکن خاں کے سلسلے کا قطعۂ تاریخ، دیوان نین سکھ میں موجود نہیں، اس لیے وہ قطعہ، صاحب دیوان کا نہیں کسی اور کا لکھا ہوا ہے۔ ممکن ہو ایسا ہی ہو، لیکن یہ بالکل ضروری نہیں کہ کسی شاعر کی ہر غزل، ہر قصیدہ، ہر قطعہ دیوان میں شامل ہو۔ خاص طور پر ایسی شکل میں کہ ان کے بقول دیوان کا موجودہ نسخہ غالباً نین سکھ کی بیاض ہے جس میں اس نے اپنا کلام بغیر کسی ترتیب کے نقل کرایا ہے۔ پھر ولی سے غالب تک کے دواوین دیکھ جائیے۔ بعض شعرا کا کچھ اور بعض کا خاصا کلام دیوان مروجہ میں سے غیر حاضر لیکن دوسرے مصادر میں موجود ملتا ہے۔ پھر یہ نین سکھ کا اردو دیوان ہے فارسی کلام کا شمول اس میں ضروری نہیں۔ دیوان شیخ غلام یحییٰ حضور عظیم آبادی (متوفی ۱۲۳۵ھ) میں اس کے اردو اشعار ہیں فارسی کا ایک مصرع بھی نہیں ملتا، جب کہ ان کا لکھا ہوا فارسی کا ایک قطعہ جو حضرت شاہ رکن الدین عشق عظیم آبادی کی وفات پر انھوں نے ۱۲۰۳ھ میں نظم کیا، حضرت عشق کے لوح مزار پر کندہ ملتا ہے۔ فدوی عظیم آبادی کا فارسی قطعۂ تاریخ وفات عشق بھی ان کے دیوان اردو سے غیر حاضر ہے۔ یہ بھی ملحوظ رہے کہ نین سکھ کے دیوان کا موجودہ نسخہ مکمل نہیں، جیسا کہ مرتب نے اپنے مقدمے میں صراحت کی ہے۔ اس کے کچھ اوراق غائب ہیں۔

۲۔ مرتب نے یہ سوال بھی اٹھایا ہے کہ نین سکھ نے کیا ساری زندگی میں ایک ہی فارسی قطعہ لکھا؛ کہا جا سکتا ہے کہ اس کی زندگی کا سارا سرمایہ ہمارے پیش نظر ہے کہاں! حضور اور فدوی کا ذکر اوپر گزرا جن کا لکھا ہوا صرف ایک ہی فارسی قطعہ اب تک دستیاب ہوا ہے۔ ایسے اور شعرا بھی ہوں گے۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ نین سکھ نے فارسی میں شعر کہے ہوں لیکن وہ ہم تک نہ پہنچ سکے ہوں یا ضائع ہو گئے ہوں۔

میرا یہ ادعا ہرگز نہیں کہ محی الدین قادری زور نے جس نین سکھ کا ذکر کیا ہے۔ وہ یہی نین سکھ صاحب دیوان اردو ہیں۔ میری مراد یہ ہے کہ فاضل مرتب نے جو دلائل دیے ہیں وہ مستحکم اور قطعی نہیں۔

نین سکھ نام کے ایک صاحب اور گزرے ہیں۔

سید مقبول احمد صمدنی: علامہ میر عبدالجلیل بلگرامی (متوفی ۱۱۳۸ھ) کی سوانح زندگی حیات جلیل میں میر صاحب کے بارہ[۱۲] معتمدان خدمت و ملازمین خاص کا ذکر کرنے کے بعد نین سکھ کا مختصر حال لکھتے ہیں۔

نین سکھ۔ ان کا منشی اور مقرب خاص تھا۔ جس زمانے میں دربار کی حاضری دونوں وقت دینی پڑتی تھی اور میر صاحب عدیم الفرصت تھے تو افسوس کرتے تھے:

نین سکھ بیمار ست ہنا جواب خطوط مردم آں جا کہ میرسند نمی شود کہ بنویسیم بہر کدام عذر خواہند گفت"

دوسرے خط میں لکھتے ہیں:

نین سکھ بتاریخ ششم جمادی الآخر[۲]۔ بقضائے الٰہی فوت شد۔ متاسف بسیار نمودیم۔ بجز صبر چارہ نیست" (حیات جلیل) : (طبع الٰہ آباد ۱۹۴۱ء)

مؤلف مرحوم نے میر عبدالجلیل کے دو خطوں کی جو مختصر عبارتیں نقل کی ہیں اس سے نین سکھ کے بارے میں کچھ وضاحت نہیں ہوتی۔ اس کی فارسی انشا پردازی کا ذکر تو ہے لیکن اس کی اردو شاعری کے متعلق کسی قسم کا اشارہ نہیں ملتا۔

میر غلام علی آزاد بلگرامی (۱۲۰۲ھ) مآثر الکرام میں میر عبدالجلیل کے حال میں لکھتے ہیں۔ میر سید محمد سلمہ اللہ تعالیٰ خلف الصدق ایشاں پارہ از منشآت والا جمع کردند" ۔ یہ مجموعہ بائیس خطوط پر مشتمل تھا جو میر صاحب نے اپنے صاحبزادے میر سید محمد بلگرامی کو سفر سے بھیجے تھے۔ (حیات جلیل ۲ : ۱۷) افسوس ہے کہ اس مجموعۂ خطوط کا کوئی قلمی نسخہ بلگرام یا کسی جگہ دستیاب نہیں۔ ہاں فراہین (ORIENTAL MISCELLANY جسے ایک انگریز مستشرق نے مرتب کیا ہے اور جس میں فراہین اور دوسری تحریرات کے ساتھ میر عبدالجلیل کے فارسی مکتوبات کا متن انگریزی ترجمے کے ساتھ کلکتہ سے ۱۷۹۸ء میں شائع ہوا ہے۔ قابل قدر تحریرات کا مجموعہ ہے۔ انگریز مؤلف نے اس کا نام مختلف معاملات پر باپ کے اصلی خطوط بیٹے کے نام رکھا ہے اس کی اشاعت کو اب کوئی دو سو سال ہونے کو آئے یہ کمیاب نہیں گویا نایاب ہے۔ میں نے کلکتہ، لاہور خطوط لکھ کر اس کے حصول کی کوشش کی لیکن کامیابی نہیں ہوئی میں نے لندن خط لکھا ہے اگر برٹش لائبریری میں یہ مجموعہ حاصل ہو گیا تو اس کا امکان ہے کہ نین سکھ کے بارے میں کچھ مزید اطلاع ملے۔

لیکن یہ نین سکھ، صاحب دیوان سے متقدم معلوم ہوتے ہیں اور اس کا بہت کم امکان ہے کہ ہم جس

نین سکھ کی تلاش میں ہیں وہ یہی نین سکھ ہوں جن کا ذکر حیات جلیل میں آیا ہے۔

نین سکھ نے ایک شعر میں بارھویں صدی کا ذکر کیا ہے:

بارہ صدی کا دور جو سنتے تھے (ہم) نین

بے شک شبہہ تحقیق وہ ہنگام یہی ہے

منشی نین سکھ جن کا سال وفات ۱۱۹۲ھ میر صاحب نے بتایا ہے، یہ صاحب دیوان نین سکھ اسی وقت قرار دیے جا سکتے ہیں جب یہ معلوم ہو جائے کہ نین سکھ نے یہ غزل یا کم از کم یہ شعر اپنی زندگی کے بالکل آخری دور میں ۱۱۹۲ھ سے کچھ پہلے لکھا ہے، لیکن اس شکل میں بھی یہ اشکال رہ جاتا ہے کہ نین سکھ کی زبان اتنی قدیم نہیں معلوم ہوتی۔ خلاصۂ کلام یہ کہ بصورت موجودہ قطعی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ شاعر نین سکھ جس کا دیوان اردو محفوظ ہے۔ اور جس نین سکھ کا فارسی قطعہ حیدرآباد میں ملتا ہے اور نین سکھ جو میر عبدالجلیل بلگرامی کے متوسلین میں تھا۔ ایک ہیں یا یہ تینوں علٰحدہ علٰحدہ شخصیتیں ہیں۔

نین سکھ کے ایک شعر میں تیرھویں صدی کا ذکر بھی آیا ہے:

وہ تیرہ صدی جو سنے تھے سبھی

یہی ہے، یہی ہے یہی ہے، یہی

اس سے تو یہ خیال بالکل باطل ہو جاتا ہے کہ نین سکھ (متوفی ۱۱۹۲ھ) کا کسی قسم کا تعلق نین سکھ صاحب دیوان سے ہے۔

مرتب نین سکھ صاحب دیوان کو پیشے کے لحاظ سے زرگر بتاتے ہیں اور ثبوت میں ان کی تین ابیات پیش کرتے ہیں۔ جن میں تول، ماشہ، رتی، چھنگی، صراف اور کھوٹا کے الفاظ آئے ہیں۔ شعرائے فارسی و اردو میں کتنوں کے یہاں نجوم، طب اور دوسرے علوم اور مختلف پیشہ وروں کی اصطلاحیں آئی ہیں۔ ان سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ شعرا نجومی یا طبیب تھے یا زرگر، خیاط، معمار۔

نین سکھ کو مرتب یقینؔ دہلوی کا شاگرد بتاتے ہیں۔ اور سند میں حسب ذیل شعر درج کرتے ہیں جس میں اس نے یقینؔ کے ایک مصرع کی تضمین کی ہے۔ اس میں استناد کی بنیاد اس بات پر ہے کہ نین سکھ نے انھیں "حضرت یقینؔ" لکھا ہے۔ تعظیمی لفظ "حضرت" استعمال کرنے سے یقینؔ کا ان کا استاد ہونا کس طرح ثابت ہو سکتا ہے، ناصر، مولف تذکرہ خوش معرکۂ زیبا کا دستور ہے کہ وہ کسی اہم شاعر کے ذکر کے بعد ان کے

تلامذہ کا ذکر کرتا ہے۔ یقینؔ کی فہرستِ تلامذہ میں نین سکھ کا ذکر نہیں۔ اگر وہ یقینؔ دہلوی جیسے شاعر کا واقعی شاگرد ہوتا تو کسی نہ کسی تذکرے میں اس کا ذکر ضرور ملتا۔ شاگردیِ یقینؔ کے لیے کسی مضبوط دلیل کی ضرورت ہے۔

نین سکھ کے مذہب کے بارے میں مرتب کا خیال ہے کہ وہ ہندو مذہب کے پیرو کار ہیں۔ ثبوت میں تین شعر انھوں نے پیش کیے ہیں۔ ان اشعار سے استناد درست نہیں۔ کتنے ہی مسلم شعرا کے دواوین میں اس مضمون کے شعر مل جائیں گے۔ انھوں نے اپنے خیال کے استحکام کے لیے نین سکھ کے حسب ذیل شعر نقل کیے ہیں، ان سے تو معاملہ برعکس نظر آتا ہے۔

تسبیح نماز روزے سے مجھ کو نہیں ہے کام	میں بت پرست ہوں مرا پہچان یہ سخن
کیا ازل سے ہے صانع نے بت پرست مجھے	کبھو بتوں سے پھروں میں یہ تو خدا نہ کرے
یہ مانگتا ہوں دعا روز حق تعالیٰ سے	بتوں سوائے کہیں دل کو مبتلا نہ کرے

وہ لکھتے ہیں نین سکھ نے اہل دل، اہل حق، مردم آگاہ، حق آگاہ، جیسی تراکیب بکثرت استعمال کی ہیں، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ کسی صوفی کے صحبت یافتہ یا اسی طرح کے ماحول کے پروردہ یافتہ تھے۔ وہ عقیدۂ جبر کے قائل تھے، ان کے خیال میں انسان مجبور محض ہے۔

اپنی نظر تو نینؔ خدا پر ہے، ہو سو ہو
جو آن بازکھائے وہ لاچار دیکھنا

وہ آگے چل کر لکھتے ہیں: نین سکھ پختہ مذہبی عقائد رکھتے تھے اور خدا کی رزاقیت پر مکمل بھروسا کرنے کے قائل تھے، انھوں نے دو شعر بھی نقل کیے ہیں جو قابل توجہ ہیں:

تو ہی رازقِ حقیقی ہے جو دیوے سارے عالم کو	ترے ثانی کوئی یارب کہاں داتا رہو پیدا
جز نام خدا صرف نہ کرنا کبھو انفاس	از بسکہ عبارت کا سر انجام یہی ہے

نین سکھ، اگر شاعر کا نام ہے تو ان کے مذہب کا معاملہ واضح ہے، اور اگر نین سکھ اصلی نام نہیں، بلکہ بعض مسلم شعرا کی طرح کہ جب وہ ہندی میں شعر کہتے ہیں تو اسی مناسبت سے نام بدل دیتے ہیں اور کچھ اور رکھ لیتے ہیں، یہ ان کا قلمی نام ہے۔ تو صورتِ حال مختلف ہو جاتی ہے۔

ہندی شاعری کی تاریخ میں ایسی مثالیں ملتی ہیں۔ میر غلام نبی بلگرامی اٹھارویں صدی عیسوی کے شاعر ہیں۔ فارسی میں نبی تخلص کرتے تھے، یہ ہندی میں رس لین (رحمت میں محو) کے نام سے معروف ہیں۔

ان کی منظوم تصانیف میں انگ درپن اور رس بودھ مشہور ہیں۔ سید ابراہیم، جو "رس کھان" کے نام سے شہرت رکھتے ہیں، ہندی کے ممتاز شاعر گزرے ہیں۔ طالب علی بلگرامی (رس نائک)، بھی ہندی کے شاعر ہیں۔ "بتیم" اور "پریمی" بھی مسلمان شاعر ہیں، نام کچھ اور ہیں لیکن ہندی دنیا میں یہ دونوں "بتیم" اور "پریمی" کے نام سے جانے جاتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ نین سکھ کے مذہب کے بارے میں قطعیت کے ساتھ اسی وقت کچھ کہا جا سکتا ہے جب اس عہد کی تاریخ یا شعرا کے تذکرے سے کوئی معتبر شہادت مل جائے۔

دیوان نین سکھ کا نسخہ منحصر بفرد ہے۔ قیاس ہے کہ یہ مکمل ہو کر کبھی مرتب نہیں ہوا، کلام بھی عام اور مقبول نہ ہوا اس لیے اس کی نقلیں تیار نہ ہو سکیں، اگر نقل نویسوں نے اس کی نقلیں تیار کیں تو وہ ضائع ہو گئیں، اور صرف وہی نسخہ محفوظ رہ گیا جو مصنف کا ذاتی نسخہ تھا۔ یہ نین سکھ کے قلم کا لکھا ہوا ہے اور اسے مرتب نے بیاض کہا ہے۔ حسن اتفاق سے مولوی عبدالحق مرحوم کو یہ نسخہ ہاتھ لگ گیا (اگر انھیں حیدرآباد یا اس کے مضافات میں ملا تو اس سے کچھ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے، اگرچہ قطعی نہیں) اور ان کے ذاتی کتاب خانے میں رہا، اورنگ آباد سے دہلی منتقل ہوا، تقسیم ہند کے فسادات میں ضائع ہونے سے بچ گیا اور کراچی پہنچ کر مولوی صاحب کے کتاب خانہ خاص میں محفوظ رہا۔ مولوی صاحب کی زندگی میں کراچی میں ان کے ذاتی کتاب خانے پر بھی افتاد پڑی، بہرحال ان کی وفات کے بعد ان کی مملوکہ ساری کتابیں کتب خانہ انجمن ترقی اردو پاکستان میں محفوظ کر دی گئیں۔ آج کل اردو۔سندھی جھگڑوں اور لسانی فسادات کی وجہ سے انجمن کے سارے مخطوطات و نوادر حکومت کی نگرانی میں نیشنل میوزیم کراچی میں بھیج دیے گئے ہیں۔ اور دیوان نین سکھ کا یہ وحید نسخہ اب وہیں محفوظ ہے۔

کسی قدیم شاعر کا دیوان صرف ایک نسخے سے مرتب کرنا، اور الفاظ کی صحیح قرارت متعین کرنا ایک مشکل کام ہے۔ شاید اس لیے کہ شاعر غیر معروف بلکہ مجہول ہے جس کا صحیح زمانہ حیات بھی معلوم نہیں، اور جس کے اکثر اشعار بھی بے مزہ ہیں، مولوی عبدالحق مرحوم نے اس کی طرف توجہ نہیں کی۔ دیوان کی اشاعت تو دور کی بات ہے، اس پر ایک مختصر سا تعارفی مضمون بھی لکھ کر یا کسی سے لکھوا کر شائع نہیں کیا۔ دیوان کی قدامت کی وجہ سے اس کی لسانی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ ڈاکٹر ظفر اقبال کا ہمیں ممنون ہونا چاہیے کہ انھوں نے اس کی ترتیب و اشاعت کی طرف توجہ کی، ان کی یہ کوشش

لائق تحسین ہے۔

جناب ڈاکٹر خلیق انجم، سکریٹری انجمن ترقی اردو (ہند) سے اس دیوان کا ذکر آیا، اس کی قدامت ولسانی اہمیت کی وجہ سے وہ اس کی اشاعت پر بخوشی آمادہ ہو گئے، اگر وہ اسے صحیح چھپوا سکے تو ہمارے دہرے شکریے کے مستحق ہوں گے۔ کیا عجب مستقبل قریب میں اس کا کوئی دوسرا نسخہ مل جائے، اس وقت اس کا زیادہ مکمل اور صحیح و مستند متن پیش کیا جا سکتا ہے۔

مختار الدین احمد

۲۰ مئی ۱۹۹۱ء

ناظر منزل

۲/۲۸۶ امیر نشان روڈ

علی گڑھ

مقدمہ

نین سکھ کے حالات واشعار کسی تذکرے یا ذیلی مآخذ میں نہیں ملتے ہیں۔ اور نہ انھوں نے دیوان میں ایسے اشارے دیے ہیں کہ جن کی مدد سے ان کی زندگی کا خاکہ مرتب کیا جا سکتا۔ وہ کہاں اور کب پیدا ہوئے ؟ زندگی کہاں اور کیسے گزاری، وفات کہاں اور کب پائی ؟ ان سب کے بارے میں کچھ معلوم نہ ہو سکا۔ ان کے دیوان میں دو شعر ایسے مل سکے کہ جن سے نین سکھ کے عہد کا کچھ اندازہ ہو سکتا ہے۔

بارہ صدی کا دور جو سنتے تھے نینؔ — بے شک شبہ، تحقیق وہ ہنگام یہی ہے
وہ تیرہ صدی جو سنتے تھے سبھی — یہی ہے، یہی ہے، یہی ہے، یہی

پہلے شعر میں بارھویں صدی اور دوسرے میں تیرھویں صدی کے ذکر سے یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ نین سکھ کا زمانہ بارھویں صدی کے وسط سے تیرھویں صدی کی ابتدائی چند دہائیوں تک کے عہد پر محیط ہے۔ اس سلسلے میں "مسدس شہر آشوب" کے دو بند ہماری مزید رہنمائی کرتے ہیں :

ہے عجب کچھ یہ جاٹ کی سرکار — خلق ناخوش، سپاہ سب بیزار
دیر طلبی سے سخت ہو لاچار — اکثر اس بیت کو پڑھیں ہیں پکار

کیا مصیبت خدا نے ڈالی ہے
جس پہ برطرفی و بحالی ہے

ہاجی عالم ہے بادشاہی میں — مرد آدم پھریں تباہی میں
کیا کہوں میں جناب الٰہی میں — اب کے پھر گھلی ہے چھاہی میں

کیا مصیبت خدا نے ڈالی ہے
جس پہ برطرفی و بحالی ہے

جاٹ گردی، شاہ عالم کے عہد کے اہم واقعات میں سے ہے۔ شاہ عالم کی تاریخ مسند نشینی ۲، ۱۱ حادر

تاریخ وفات ۱۲۲۱ھ سے نہ صرف مذکورہ شہر آشوب کے سن کی توثیق ہوتی ہے بلکہ نین سکھ کے عرصہ حیات کو بھی ایک دائرے میں محدود کیا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے قرائن سے نین سکھ کی حیات کو بارہویں صدی کے نصف آخر اور تیرہویں صدی کی ابتدائی چند دہائیوں کے مابین متعین کر چکے ہیں، مذکورہ شہر آشوب میں بیان کردہ حالات سے اس کی مزید تصدیق ہوتی ہے۔ ڈاکٹر محی الدین قادری زورؔ نے "تذکرہ مخطوطات" میں درج ذیل قطعۂ تاریخ کو نین سکھ نام کے ایک شاعر سے منسوب کیا ہے:

نگہدار مولا علی در امن   مبارک کناں نظم جان و دکھن

ز ہاتف ندا آمد، آمین بگو   کہ ملک ملی صوبہ شد صف شکن

ڈاکٹر زورؔ نے لکھا ہے کہ نین سکھ نے یہ قطعہ صف شکن خاں، مجاہد جنگ، ارمان حیدرآبادی کے حیدرآباد کا صوبہ دار مقرر ہونے کے موقع پر پیش کیا تھا۔ یہ واقعہ ۱۱۶۷ھ کا ہے۔ (ڈاکٹر محی الدین قادری زورؔ "تذکرہ مخطوطات" جلد چہارم، ص: ۲۶۲۔ طبع ثانی: ترقی اردو بورڈ، دہلی ۱۹۸۴ء) یہی اطلاع افسر صدیقی نے بھی دی ہے (افسر صدیقی، فہرست مخطوطات، انجمن ترقی اردو، جلد چہارم، ص: ۲۰۲) مذکورہ بالا قطعہ کا اس نین سکھ سے جس کا دیوان ہم پیش کر رہے ہیں انتساب ہماری رائے میں درست نہ ہوگا۔ اس کے متعدد دلائل موجود ہیں۔

۱۔ اگر یہ قطعہ ہمارے نین سکھ کا ہے تو اسے ان کے دیوان میں بھی شامل ہونا چاہیے تھا لیکن دیوان میں مذکورہ قطعۂ تاریخ درج نہیں۔ اس کے علاوہ ایک بات اور؛ کیا نین سکھ نے ساری زندگی میں صرف ایک ہی قطعۂ تاریخ لکھا؟ اگر زیادہ لکھے تو انھیں کلاً یا جزواً دیوان میں شامل ہونا چاہیے تھا۔

۲۔ نین سکھ کا حیدرآباد جانا ثابت نہیں۔ اگر وہ حیدرآباد جاتے تو وہاں کی "سرکاروں" یا دربار میں باریابی اور حصولِ مقصد کے لیے قصائد ضرور لکھتے؛ موجودہ صورت میں ان کے دیوان میں قصیدہ تو کیا، کسی کی شان میں چند مدحیہ اشعار تک نہیں ہیں۔

۳۔ مذکورہ بالا قطعہ تاریخ فارسی میں ہے۔ نین سکھ کے پورے دیوان میں فارسی کا ایک بھی شعر نہیں۔ اگر وہ فارسی میں کچھ بھی لکھتے تو زیرِ نظر دیوان میں کچھ نہ کچھ تو درج ہوتا۔

دلائل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مذکورہ قطعۂ تاریخ کا زیرِ بحث نین سکھ سے انتساب درست نہیں۔ یہ ممکن ہے کہ اس نام کی کوئی اور شخصیت حیدرآباد میں گزری ہو۔

نین سکھ کے دیوان میں ۱۴۷ اشعار کی ایک مثنوی ہے۔ اس مثنوی میں بھوپال کے حالات بیان کیے

گئے ہیں اور ایک واقعے کی تفصیلات رقم کی گئی ہیں۔ اس مثنوی میں بیان کردہ تفصیلات سے ایسا اندازہ ہوتا ہے کہ یہ بیان ذاتی مشاہدہ پر مبنی ہے۔ نیز اس مثنوی سے نین سکھ کی بھوپال سے کچھ نہ کچھ نسبت بھی واضح ہوتی ہے۔

نین سکھ کی علمی صلاحیت اوسط درجہ کی تھی۔ انھوں نے متعدد مقامات پر 'عنداللہ'، 'حق تعالیٰ'، 'جزاک اللہ' جیسے عربی الفاظ برمحل استعمال کیے ہیں۔ علاوہ ازیں "مخمس شہر آشوب" میں ایک قرآنی آیت "وقنا عذاب النار" بھی بطور مصرع استعمال کی ہے۔ جہاں تک فن شاعری کا تعلق ہے، اس سے نین سکھ کو بس معمولی واقفیت تھی۔ بالخصوص عروض سے ان کی ناواقفیت کا ثبوت دیوان میں متعدد مقامات پر فراہم ہوتا ہے۔

نین سکھ پیشے کے لحاظ سے زرگر تھے۔ انھوں نے متعدد اشعار میں اپنے پیشے کی اصطلاحات نظم کر کے اس کا ثبوت فراہم کیا ہے۔

وہ جو اک تولہ کئی ماشہ تھی تم سے یاری ۔۔۔ رتی بھر بھی نہ رہا اس میں کچھ آثار کہیں

کھوٹا ہو اگر دام ہی اپنا یارو ۔۔۔ صراف کو پھر عیب عبث لیے کیوں

ذرا اے دیکھتے ہی یہ بدلی نظر تری ۔۔۔ من میں پھٹنکی سیر پیچھے گھٹ گیا ہے دل

نینؔ سکھ کو غالباً انعام اللہ خان یقینؔ سے تلمذ حاصل تھا، کیوں کہ انھوں نے ایک شعر میں اس طرف اشارہ کیا ہے:

قول ہے حضرت یقینؔ کا تب تو یوں کہتا ہے نینؔ ۔۔۔ "بھر کے دل رو لیجیے یہ چشم گریاں پھر کہاں"

اس شعر میں یقینؔ کے لیے "حضرت یقینؔ" کے تعظیمی الفاظ استعمال کیے گئے ہیں، جو یقینؔ سے ان کے تلمذ کے گمان کو تیقن کی سرحدوں تک پہنچاتے ہیں۔ انھوں نے یقینؔ کے علاوہ سوداؔ اور میر تقی میرؔ کے مصرعوں کی بھی تضمین کی ہے لیکن ان کے لیے ایسے تعظیمی الفاظ نہیں استعمال کیے ہیں:

راست ہے دنیا کا احوال، بقول سوداؔ ۔۔۔ "ایک زنداں ہے کہ جس میں ہیں گرفتار کئی"

اب کیا کہوں نصیبوں کو سچ ہے، بقول میرؔ ۔۔۔ "ایدھر تو ہم سے تم پھرے ادھر خدا پھرے"

اس غیر حتمی داخلی شہادت کے علاوہ یقینؔ سے ان کے تلمذ کا ثبوت کہیں سے نہ مل سکا۔ نین سکھ نے اپنے استاد کی مہربانیوں کا بھی برملا اعتراف کیا ہے:

مہر استاد کی سے دیکھو تو اس نینؔ کے تئیں
شعر کہنے کا کبھی ڈھب نہ ہوا تھا سو ہوا

اس دیوان کی ترتیب کے وقت تک نین سکھ معمر ہو چکے تھے جس کا اشارہ متعدد اشعار میں ملتا ہے:

غنیمت ہے مجھ کو بزرگی یہ اتنی　　میں طالب ہوں تیرا اور تو جان من ہے

ہو سکے سب ہوس دے لیکن　　بوڑھے کو کس طرح جواں کیجے

نین سکھ نے اپنی شاعری کی وجہ جواز یوں بیان کی ہے:

دنیا میں یادگاری کو کرتا ہے فکر نین
اس کا بھی کوئی دنوں میں دیوان دیکھنا

ان کے نزدیک فکر سخن، نام کی بقا کا بہترین طریقہ ہے۔ اس شعر کی تخلیق کے وقت تک ان کا دیوان مکمل نہیں ہوا تھا۔ "کوئی دنوں" سے مترشح ہوتا ہے کہ اس وقت تک وہ خاصی تعداد میں شعر کہہ چکے تھے اور دیوان کی تکمیل کچھ ہی عرصہ کی بات تھی۔ نین سکھ شاعری کو فن شریف، قابلیت کی نشانی اور باعث افتخار جانتے تھے۔ انھوں نے صاحب سخن کو افلاطون کے ہم مرتبہ قرار دیا ہے:

جسے شعر کا شوق ہے رات دن　　وہ تو قابل ہے اس کی کیا بات ہے

جو کوئی عصر میں ہے صاحب سخن　　اسے کہیے بے شک فلاطون زمن

نین سکھ ہندو مذہب کے پیروکار تھے۔ انھوں نے متعدد مقامات پر فخریہ لہجے میں اس کا اظہار کیا ہے:

تسبیح، نماز، روزے سے مجھ کو نہیں ہے کام　　میں بت پرست ہوں امرا پہچان یہ سخن

کیا ازل سے ہے صانع نے بت پرست مجھے　　کبھو بتوں سے پھروں میں، یہ تو خدا نہ کرے

یہ مانگتا ہوں دعا روز حق تعالیٰ سے　　بتوں سوائے کہیں دل کو مبتلا نہ کرے

نین سکھ نے اہل دل، اہل حق، مردم آگاہ، حق آگاہ، دل آگاہ جیسی اصطلاحات بکثرت نظم کی ہیں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ کسی صوفی کے صحبت یافتہ یا اس طرح کے ماحول کے پروردہ یافتہ تھے۔ وہ عقیدہ جبر کے پیروکار تھے۔ ان کے خیال میں انسان مجبور محض ہے:

جو حق کی رضا ہے، سو ہی سچ ہے　　جھوٹا ہے سب اختیار اپنا

اپنی نظر تو نین خدا پر ہے، جو سو ہو　　جو آن باز کھائے سو لاچار دیکھنا

نین سکھ پختہ مذہبی عقائد رکھتے تھے اور خدا کی رزاقیت پر مکمل بھروسہ کرنے کے قائل تھے:

تو ہی رازقِ حقیقی ہے جو دیوے سارے عالم کو — ترے ثانی کوئی یا رب کہاں داتار ہو پیدا
صانع مراد ہے کہ جو کیسی رہی چوب خشک — سو سو دفعہ وہ چاہے تو اس کو ہری کرے

وہ خدا سے لو لگانے اور دنیاوی ہوا و ہوس سے دور رہنے کو پسند کرتے تھے:

یہ نین سکھ تری یاد میں مسرور ہے دائم — یا بار خدا اس کا یہ اطوار نہ چھوٹے
جز نام خدا صرف نہ کرنا کبھو انفاس — از بسکہ عبادت کا سرانجام یہی ہے

نین سکھ نے زمانے کی بدلتی ہوئی قدریں، مفاد پرستی، ناپرسی، بے توقیری، ملمع سازی، سپاہیوں، علما اور ہنرمندوں کی بے قدری، جاہلوں کی لاف و گزاف، پست لوگوں کا بلند ہو جانا، ہوس مال رکھنے والوں کا صاحب عزت و رتبہ ہونا اور عوام کو پریشان کرنے والے منصب داروں اور اہلکاروں کی جا بجا مذمت کی ہے:

یاروں میں جو یاری ہے سو سب باتیں ہیں سن لو — دنیا میں کہاں ہے کہیں کوئی یار کسی کا
نجیبوں سے کیوں کر خوشی ہو تمہاری — کمینوں کا ہے دور حضرت سلامت
پوچھے کوئی کسی کو یہ امکان ہی نہیں — ناپرسی کا یہ دور الو کھا بھلا پھرا
سب بے ہنر ہو گئے ہیں اب ممتاز — قابلوں کا شمار کوئی نہیں ہے

نین سکھ کے کلام میں مکمل طور پر ہندوستانی فضا جھلکتی ہے۔ وہ دور از کار تشبیہات اور بعید از فہم استعارات سے کام نہیں لیتے، وہ سامنے کی چیزوں کو بطور تشبیہ استعمال کرتے ہیں۔ انسانی عزم و ہمت کو برانگیختہ کرنے کے لیے اردو شاعری میں دریائے گنگا کو بطور مثال پیش کرنے کی اولین طرح غالباً ان ہی نے ڈالی ہے:

بڑھی جس کی ہمت بڑھا اس کا ٹھاٹ
نہ مانو تو جا دیکھو گنگا کا پاٹ

ان کی شاعری میں محاوروں کا استعمال بہت کم ہوا ہے۔ انھوں نے جہاں محاورہ باندھا ہے تو پست و بلند کے تصور کو یکسر نظر انداز کر دیا ہے۔ وہ شاعری میں سوقیانہ محاورہ یا پست و فحش لفظ استعمال کرنے سے قطعاً نہیں ہچکچاتے:

گو کہ ہے آہ اپنی بے تاثیر — پہ رقیبوں کو ہینگ ہگاتی ہے

اپنی کرتے ہیں آپ ہی تعریف　　　ان کے تئیں کو تو چو تیا کہیے

انھوں نے اپنے کلام میں بہت سے غیر مانوس اور متروک الفاظ استعمال کیے ہیں جن کی فہرست درج ذیل ہے:

آب اوزاں، آسیا، اچرج، ادھوتر، اگری، اپاد۔

بھونچیا، بھوتیا، بھاگن، بھنڈی، باٹ، بچلنا، بھتیک، بعائیں، باچھڑی، بے بند، بھیتر، بھیلو۔

پل، پاسیدھیا، پھلیل، پرات، پٹکہار، پسیری۔

جٹا، جھمکڑا، چیرہ، چیرا بند، چھپا، چھٹہ، چٹ لگن، چٹنی، چبلنا، چھیکا، چھیجنا، چھٹ، چکرت، پچا۔

خجری، خندوں، خوگیر۔

دہاشہ، دھیا، دھندھوکال، دھتورا۔

ڈنڈیل، ڈاہ۔

زری باب۔

روب، رپ، رجک۔

سرس، سرمور، سارنگ، سمر شہتوت، سیج، سیتی، سوگند، سربری۔

شباشب، شیتے، شفقی۔

غرہال۔

فروئی۔

قلبتاں، قابوچیں۔

کھور، کٹی بھیڑ بھاڑ، کھاج، کھنڈی، کانا، کپوت، کھان پان، کنک، کے، کھل، کپوز کام دار، گنگور، گیہان، گھور، گھڑیال، گوہد، گیپائی، گونیدے۔

مدھجڑا، ماٹ، مشر، من ہرن، مشبک، مردنگ، مواشی، مستتر، موگیا، مرنڈا۔

نت نپٹ، ناتکار۔

وار پار۔

ہاٹ۔

برات۔

مخطوطہ کی کیفیت

دیوان نین سکھ کا مخطوطہ ۲/۱ ۶ x ۲/۱ ۹ سائز کے ۶۱ صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ نسخہ اوسط درجہ کے خط نستعلیق میں بظاہر مصنف کے ہاتھ کا تحریر کردہ ہے۔ نسخہ معمولی طور پر کرم خوردہ ہے۔ کاغذ، مٹیالا دبیز ہے اور کتابت سیاہ روشنائی سے کی گئی ہے۔ قومی عجائب گھر کراچی میں محفوظ کردی گئی ہیں۔ اس کا نمبر فا،۵۴/۱ ہے۔ نسخہ کا آغاز غزلیات سے ہے۔ صفحہ ۳۰ تک الف، ت، ن، ی، ع، ف، د، ل، ط، اور ک کی ردیفوں میں غزلیں ہیں۔ اس ضمن میں کسی ترتیب کو ملحوظ نہیں رکھا گیا ہے۔ صفحہ ۳۱ سے ۳۹ تک، ۱۴۷ اشعار کی ایک مثنوی ہے۔ اس کے بعد ہ، ی، الف، ظ، اور ز کی ردیفوں میں غزلیں ہیں جن کا سلسلہ صفحہ ۴۳ تک ہے۔ صفحہ ۴۴ سے ۴۹ تک ۱۲ بند کا ایک مخمس شہر آشوب ہے۔ اسی صفحہ سے ایک مسدس شہر آشوب صفحہ ۵۵ تک ہے۔ اسی صفحہ پر ۱۳ اشعار پر مشتمل ایک غزل شہر آشوب ہے۔ صفحہ ۵۶ سے ۵۹ تک و، س، ی، الف، ن کی ردیفوں میں ۶ غزلیں ہیں۔ اسی صفحہ پر دو رباعیاں اور دو متفرق شعر ہیں۔ صفحہ ۶۰ اور ۶۱ پر ۱۲ فردیات اور چند مطلعے درج ہیں۔ صفحہ ۶۱ کے آخر میں بطور ترقیمہ صرف یہ عبارت درج ہے؛ "خاتمہ بقلم نین"

دیوان نین سکھ کا یہ نسخہ ناقص الاوسط ہے۔ صفحہ ۱۵ کا آخری شعر یہ ہے؛

سائے کو میرے لیے جہاں میں

داماں اگرچہ ہو، تیرا ہی ہو

مذکورہ صفحہ کے آخر میں بطور ترک "نکلا خورشید" کے الفاظ درج ہیں جس کے مطابق اگلی غزل کا آغاز "نکلا خورشید" سے ہونا چاہیے، لیکن صفحہ ۱۶ پر نہ صرف مذکورہ ترک کے مطابق شعر نہیں ہے بلکہ اس صفحہ کا آغاز کسی دوسری نامکمل غزل کے اس شعر سے ہوتا ہے:

آیا کبھو نہ بر میں مرے پیار کر کے تو

اس آرزو میں عمر ہی ساری بسر کردی

اس غزل کا مطلع اور بقیہ اشعار جس صفحہ پر درج تھے وہ ضائع ہوچکا ہے۔

یہ دیوان مصنف کے قلم کا تحریر کردہ معلوم ہوتا ہے اور غالباً یہ اس کی بیاض ہے جس میں اس نے بغیر کسی ترتیب کے اپنا کلام تحریر کیا ہے۔ اس نے متعدد مقامات پر نظرِ ثانی، ترمیمات اور اضافوں کا عمل کیا ہے ترمیم و تنسیخ کا عمل مصنف کے علاوہ اور کوئی نہیں کر سکتا ہے۔ ترمیمات، تنسیخات اور اضافوں کی چند مثالیں درج ذیل ہیں:

۱۔ پہلے اس طرح لکھا گیا تھا: نجیبوں سے ہرگز خوشی نہیں تمہاری
ترمیم شدہ : نجیبوں سے کیونکر خوشی ہو تمہاری

۲۔ پہلی روایت : ہر روز مجھ کو عشق سے کیوں مانع ہوئے ہیں
ترمیم شدہ : . . . . روکتے ہے تو

۳۔ پہلی روایت : آسماں پھٹ کے گر پڑا سارا
ترمیم شدہ : آسماں سارا ہو گیا غربال

۴۔ پہلی روایت : بہتر ہے سب سے دوستی اللہ میاں کی نین
ترمیم شدہ : بہتر ہے سب سے دوستی اپنی خدا کی نین

۵۔ پہلی روایت : باغ میں کیا مزا ہے جانے کا جب تلک ساتھ گلعذار نہ ہو
ترمیم شدہ : کیا مزا ہے شراب پینے کا جب تلک پاس گلعذار نہ ہو

۶۔ دیکھتے ہی اس بت خوش خراماں کی طرف پھر کبھو ہرگز نہ آیا میں گلستاں کی طرف

شاعر نے اس مطلع کے پہلے مصرعہ پر نظرِ ثانی کر کے لکھا "دیکھ کر ایسا جھکا" لیکن بعد میں اس ترمیم شدہ ٹکڑے کے آغاز و اختتام پر 'لا' لکھ کر سابقہ قرأت ہی کو بحال رکھا ہے۔

۷۔ صفحہ ۲۱ پر ایک غزل درج ہے : کس سیتی دل کا مدعا کہیے . . . الخ

یہ غزل دس اشعار پر مشتمل تھی۔ شاعر نے بغلی حاشیوں میں چار اشعار کا اضافہ کیا اور بقیہ دس اشعار میں بھی جزوی تبدیلیاں کیں لیکن بعد کو اسی غزل کے سات اشعار منتخب کر کے انھیں صفحہ ۲۲ پر درج کیا گیا ہے اور صفحہ ۲۱ پر خط تنسیخ پھیر دیا گیا ہے۔

املائی خصوصیات: نین سکھ بے حد غلط نویس تھا۔ وہ اکثر الفاظ کو بے موقع توڑ کیا جوڑ کر لکھتا ہے۔

لہ اس عہد کے بلکہ بعد کے عہد کے بعض شاعروں اور نقل نویسوں کے یہاں بھی یہ املائی خصوصیات ملتی ہیں۔ اور 'یجان' اور 'دلمیں' تو تو ہمارے عہد کے بعض لوگ اب بھی لکھتے ہیں۔ خلیق انجم۔

جوڑنے کی مثالیں :

ایدل (اے دل) مَتکر (مت کر) بیجان (بے جان) دلمیں (دل میں)

ساریعالمکو (سارے عالم کو) بیشعوریکا (بے شعوری کا) بیطرح (بے طرح) جسگھڑی (جس گھڑی)

لونڈیونسے (لونڈیوں سے) اسمصرعپر (اس مصرعے پر) سمجکہ (سمجھ کر)

توڑنے کی مثالیں :

چو بھا (چبھا) اٹھکیلی (اٹکھیلی) لیمبھے (لیجیے) خوش آمد (خوشامد) کبھی وہ الفاظ کا املا یکسر تبدیل کر دیتا ہے مثلاً : حالم (حاتم)

ڈ، ڑ اور ٹ پر چار نقطے لگاتا ہے، بڈھا (بڈھا) اڈ (اڑ) پھوڑ (پھوٹ) چھوٹتے (چھوٹتے) طراقہ (طراقہ)

یاں کو یہاں اور واں کو وہاں لکھتا ہے۔

وہ کو وو بھی لکھتا ہے۔

پیش کی حرکت ظاہر کرنے کے لیے اکثر واو کا استعمال کرتا ہے، مثلاً : اوس (اُس) اون (اُن) ہائے مخلوط کو بعض جگہ حذف کر دیتا ہے، مثلاً سات (ساتھ) ہات (ہاتھ)

بعض الفاظ میں 'ہ' کا اضافہ کر دیتا ہے، مثلاً : جھوٹھ (جھوٹ) تڑپھ (تڑپ)

ہائے مخلوط کو ہائے ہوز سے لکھتا ہے : پہر (پھر) پہل (پھل)

غیر منقوط نون کی جگہ بھی منقوط لکھتا ہے، مثلاً : مین (میں) نہین (نہیں) یون (یوں)

گاف پر ایک مرکز لگاتا ہے، مثلاً : کر (گر) کریباں (گریباں) کریاں (گریاں)

یائے مجہول کی جگہ بھی یائے معروف استعمال کرتا ہے، مثلاً : کی (کے) بری (برے)

کبھی یائے معروف کی جگہ یائے مجہول استعمال کرتا ہے، مثلاً : دلدارے (دلداری) نیکے (نیکی) دل آزارے (دل آزاری)

زبان :

تذکیر و تانیث : دیوان کی زبان میں آج کل کے قاعدے سے اختلاف ملتا ہے۔ نین سکھ نے فغاں اور جاں کو مذکر باندھا ہے :

شمع کی آشنائی میں دیا آخر کو جان اپنا
سنادوں کس طرح اس کو میں فریاد و فغاں اپنا

کہیں کہیں واو عطف کا استعمال عجیب نامانوس طور پر ملتا ہے :

چاہو سو ہوؤ پر مجھے ایک بار دیکھنا

افعال :

دیوان میں افعال (د) کی متعدد مثالیں ملتی ہیں :

قابو میں آوتا تو نہیں ہے مرے رقیب
ہر نفس کو حیران کرے سوتے جگتے
ترے آونے کی خبر سن کے پیارے
آقا ہو کے بجاوتے مردنگ

ہندی کے مخصوص افعال یا مصادر سے بنے ہوئے افعال بھی ملتے ہیں : جلنا ، چھپنا ، بھاگنا ، چمکنا نون غنہ کے حذف یا اضافے سے واحد اور جمع کے صیغے بعض مقامات پر خلط ملط کر دیے ہیں ، مثلاً :

اتنا ہیں سخن مان تو اک بار کسی کا
وہ تیرہ صدی جو سنے تھے سبھی

دیوان میں جدید عہد کی زبان کے برعکس متعدد مقامات پر نون کا استعمال ملتا ہے ۔ یہ عمل اسم ، فعل ، حرف ہر جگہ پایا جاتا ہے :

میں نیں تو اس کو خوب ہی زیر و زبر کیا
جنے جدھر کو چاہا دل اپنا ں ادھر کیا

متعدد مقامات پر ہائے ہوز کے اضافے سے بعض الفاظ تلفظ کیے گئے ہیں :

اس قدر دل یہہ بے قرار نہ ہو
بولتے ہو نہہ کہیں مردم آگاہ غلط

ہائے مخلوط کے اضافے سے بھی بعض الفاظ تلفظ کیے گئے ہیں : جھوٹھ ، تڑپھ ، ہونٹھ
متعدد ساکن حروف کو متحرک استعمال کرتا ہے ، مثلاً :

مت مل بتوں سے مجھ سے یہ آکر ذِکر کیا
خشک ہو گئے جیوں بَرف کی ڈلی
عَذَل کے لیے دہ پھرے کو بہ کو
یہ کہہ کر کے جلدی بٹھایا اَمَن

متعدد مقامات پر مخفف الفاظ کو مشدد تلفظ کرتا ہے:

تجھے ہجّوم میں ہم دیکھ کر یوں تاڑ جاتے ہیں
رحم ذرّا بھی نہ لانا وہ دل آزار کہیں
ہر فنّ میں عیار ہو لبس تم کو بھی دیکھا

حروف علت (و، الف، ی) کے استعمال میں فراخدلانہ آزادی کا ثبوت دیوان میں جگہ جگہ ملتا ہے لیکن اکثر مقامات پر ان حروف کو دبا کر تلفظ کرتا ہے، لہٰذا دیوان کی قرارت کے دوران اس امر کو بطور خاص ملحوظ رکھا جائے ورنہ متعدد اشعار خارج از بحر معلوم ہوں گے۔

ظفر اقبال

شعبۂ اردو
ٹوکیو یونیورسٹی، جاپان

غزلیات

کب دخل تری بزم میں ہو یار کسی کا
مشکل ہے پہنچنا نہیں واں یار کسی کا

شکوہ نہ کر اے دل کبھو زنہار کسی کا
ہو جائے مبادا تو گنہ گار کسی کا

جو بات ہے پتے کی ہو اسے سنتے ہی پی جا
کہیں فاش نہ ہو راز خبردار کسی کا

یاروں میں جو یاری ہے سو سب باتیں ہیں کن لو
دنیا میں کہاں اللہ ہے کہیں کوئی یار کسی کا

کھٹکے ہے جگر بیچ مرے تیر کی مانند
بے طرح چبھا چشم میں یہ خار کسی کا

مختار ہے اب نیکی بدی چاہے سو کرے
اس دور میں نہیں کوئی روادار کسی کا

اس بھانت ملے غیر سے پی پی کے قدح بھنگ
جس طرح کہ لڑکا ہو کوئی خوار کسی کا

گلیوں میں پھرے سیف نکالے ہے شب و روز
یہ شوخ تو ہے درپے آزار کسی کا

دلداری تو ڈوبی ہے دلآزاری بھی مت کر
اتنا ہی سخن مان تو اک بار کسی کا

خوش کیجے کسو کو تو سبھی آفریں بولیں
کیا فائدہ دل کیجیے بیزار کسی کا

کہیے جو بھلے کی تو بری لگتی ہے تجھ کو
خاطر میں نہیں تیرے مگر پیار کسی کا

تب حسن و قبح عشق کا ہووے تجھے معلوم
جب ہووے کہیں تو بھی گرفتار کسی کا

پھر یقیں تجھے دیکھے کوئی ایک نظر بھی
پھر کچھ نہ رہے اس کو سروکار کسی کا

تماشا ہے اگر خلقت سبھی زردار ہو پیدا
نہ پوچھے کوئی کسی کو پھر عجب آزار ہو پیدا

نہیں ہو تو بلا سے مت کوئی دلدار ہو پیدا
برا تنا تو کہیں ہو، موجب دکار ہو پیدا

تو ہی رازق حقیقی ہے جو دیوے سارے عالم کو
ترے ثانی کوئی یارب کہاں داتار ہو پیدا

یہی ہے آرزو دل میں کہ کر دے دیدۂ روشن
تو ہر اک ذرہ سے مجھ کو ترا دیدار ہو پیدا

زمیں خوبصورت بہت اب بھی اور آئندہ بہت ہوں گے
یہ ممکن ہے کوئی تجھ سا پری رخسار ہو پیدا

نہ فرما غیر کو کچھ اب، سوا تو اپنے طالب کے
غنیمت ہے اسے تیری اگر بیگار ہو پیدا

ترے خوش قد کی رفتاری کو دیکھے سرو گلشن میں
تو پھر بے شک قیامت کا وہاں آثار ہو پیدا

یہ جتنا سبزہ ہے جگ میں، نہ پاوے خط کے سبزے کو
زمیں کو چھوڑ کر قصداً اگر صد بار ہو پیدا

جدھر تو ناز سے دیکھے، اٹھا کر چشم مخمور میں
بجائے خس اُدھر فوراً گل و گلزار ہو پیدا

پڑھے کوئی شعر ناموزوں اگر قابل کی محفل میں
تو ہر اک حرف سے اس کے عجب تکرار ہو پیدا

بغیر از وصل کے، اس کی دوا نہیں ہے طبابت میں
ازل سے جو کوئی تجھ عشق کا بیمار ہو پیدا

اگر تو گاہ باشد پیارے ہم سے ہنسے بولے
تو آنکھوں میں رقیبوں کے بڑا ہی خار ہو پیدا

اگر کوئی زمیں پاوے تجھ سخن کے طرز رنگیں کو
تو ہر مصرع سے تیرے مطلع انوار ہو پیدا

بہتوں نے جسے عرش پہ بے جان میں دیکھا
ہم نے تو اسے جیتے جی اس جان میں دیکھا

مجنوں تھا ہم آغوش لیے لیلیٰ کو اپنی
یارو یہ تماشا میں بیابان میں دیکھا

جاوے بھی پھر آوے بھی کئی شکل سے ہر بار
چکر سیں کہاں، پر یہ مزا تان میں دیکھا

فاقہ ہی رہے روزہ، نہ کچھ کھانا نہ پینا
یہ دور میں نے حضرت رمضان میں دیکھا

سب رات لڑیں ٹوٹنے چھچھوندر کی لڑائی
بھونچکا میں نے چھوٹتے شعبان میں دیکھا

گو میوے ہزاروں ہیں اور ہیں نعمتیں لاکھوں
پر سب سے سرس ہم نے مزا نان میں دیکھا

ہر شعر ترڑاقے کا، ہر اک بات تماشا
ایسا تو میں نے سودا کے دیوان میں دیکھا

ہر نفس کو حیران کرے سوتے جگتے
اس فن کو میں حضرت شیطان میں دیکھا

کچھ بات کہے ہنس کے تو جھڑتے ہیں نرے پھول
لطف یہ ترے اس لب خندان میں دیکھا

ہنستے ہی کرے دیر نہ لڑتے ہی کرے دیر
یہ طور ترا طفلک نادان میں دیکھا

گو سرو ترے قد کا ساموزوں تو نہیں ہے
پر کہنے کو لاچار میں بستان میں دیکھا

جو چاہ زنخ بیچ گرا، پھیر نہ نکلا
ایسا تو کئی بار میں ہر آن میں دیکھا

کوچے کا گیا تیرے، کوئی پھرتا نہیں ہے
میں خوب ہی کر غور گریبان میں دیکھا

تجھ چشم کی تشبیہ کو نرگس کا ذکر کیا
سو بار اسے میں نے گلستان میں دیکھا

جس دم چمن میں صبح ہی تو نے گزر کیا
گل نے نثار تجھ پہ تمام اپنا زر کیا

بلبل کی، گل کی، وصل میں کیا خوب بن گئی
گویا بہم کسی نے یہ شیر و شکر کیا

جب دور دور ظلم کا دیکھا ترا عیاں
تب ہار کر کے یار میں آہن جگر کیا

کیا تاب ہے رقیب کی ہو سامنے ترے
میں نے تو اس کو خوب ہی زیر و زبر کیا

واعظ کی بے شعوری کا میں کیا بیاں کروں
ق
مت مل بتوں سے، مجھ سے یہ آکر ذکر کیا

سنتے ہی سوخت ہو کے کہا میں نے یہ اسے
جا خیریت ہے، دیکھ خدا کا میں ڈر کیا

ملتا ہوں گل رخوں سے تو میں اب، آپ کو
اس میں تری گرہ کا بتا کیا ضرر کیا ،

عاشق تو سب نذر ہیں کوئے ہی بس کے تئیں
جن نے جدھر کو چاہا دل اپنا اُدھر کیا

بارے وہاں چشم (؟)، سے پڑھکے ہی اٹھ گیا
میں بھی کلام طول کو پھر مختصر کیا

ہر چند ہم نے غم میں ترے چشم تر کیا
تجھ سنگ دل میں لیک نہ کچھ اثر کیا

جی دے چکا ہوں ہجر میں فریاد کیا کروں
آہ و فغاں و نالہ ترے سب نذر کیا

نے خط، نے پیام، نہ کچھ بھیجنا سلام
نے آپ ہی اب تلک کبھو ادھر گزر کیا

آنے کی کہہ گئے تھے سو آئے بھلے شتاب
تارے ہی گنتے شام سے یاں تو سحر کیا

میرا کیا تو سارا وہ برباد ہی گیا
تو نے جو کچھ کیا سو میاں خوب تر کیا

فرہاد سے غریب کو شیریں کے عشق نے
رسوا کیا، خراب کیا، در بدر کیا

منزل کو ابھی، زود ہی پہنچتا ہے یقیں
جن نے کہ اس جہان سے عزم سفر کیا

کیا بے طرح سے جاتی ہے اک جان دیکھنا | یارو خدا کے واسطے یہ آن دیکھنا
کیا حسن کیا غرور سے آتا ہے بے نظیر | اس شوخ دلربا کی ٹک اک شان دیکھنا
اندازا اس کی خوبی کا کہتے نہ بن سکے | مکھڑے پہ اس کے زلف پریشان دیکھنا
غنچہ دہن کا سیر کرو شوق سے لیکن | چاہ زنخ ہے آکے مہربان دیکھنا
منظور اپنی طبع کو ہرگز نہیں ہے یہ | مجنوں کو دشت بیچ میں حیران دیکھنا
کر کے خضاب ڈاڑھی کو نکلا ہے آج شیخ | اس بے حیا کی صورتِ شیطان دیکھنا

دنیا میں یادگاری کو کرتا ہے فکر یقینؔ
اس کا بھی کوئی دلوں میں یہ دیوان دیکھنا

کیا اس کو لکھوں پیام اپنا | لیتا ہی نہیں سلام اپنا
اس دل نے کیا ہے کام اپنا | اس بت کو کیا ہے رام اپنا
چاہوں نہ ترے سوا کسی کو | شیوا ہے یہی مدام اپنا
دیتا ہے گلوں کے تئیں طراوت | یاں تک ہے یہ تر، مشام اپنا
افسوس تری گلی میں ہم نے | قصہ ہی کیا تمام اپنا
دل لیلیٰ کو دے کے دشت میں جا | مجنوں نے کیا ہے نام اپنا
پھندے میں لیا مجھے لبھا کر | یہ زلف سیہ ہے دام اپنا
بے منت میں مجھ سے نقد دل کا | مفسد نے کیا طعام اپنا

تس پہ غضب کہ یقینؔ وہ شوخ
سنتا ہی نہیں کلام اپنا

یار کا وصل شبا شب نہ ہوا تھا، سو ہوا | ساغر عشق لبالب نہ ہوا تھا، سو ہوا
لے چکا دل کو وہ جب ہاتھ سے تب میں نے کہا | اس قدر تیرا مطالب نہ ہوا تھا، سو ہوا
جور اور ظلم سے دنیا میں یہ خوباں کا اسم | بے وفائی کا ملقب نہ ہوا تھا، سو ہوا

کرنا تسخیر ہر اک دل کو دو اک باتوں میں
اس طرح کا بھی عجائب نہ ہوا تھا، سو ہوا

روز لگتا ہے ترے کان سے جا جا کے رقیب
کسو کا اتنا مراتب نہ ہوا تھا، سو ہوا

عیزدوں کی بزم میں ترے اب تو یہ کچھ کثرت ہے
یعنی ہر کوئی مصاحب نہ ہوا تھا، سو ہوا

مہر استاد کی سے دیکھو تو اس نین کے تئیں
شعر کہنے کا کبھی ڈھب نہ ہوا تھا، سو ہوا

مل جائے کہیں وہ یار اپنا
کر رکھوں گلے کا ہار اپنا

جب بات کہے ادا سے ہنس کر
کر ڈالوں یہ دل نثار اپنا

یارب ہو کہیں شتاب ایسا
دیکھوں میں وہ نوبہار اپنا

مدت سے پڑا ہوں بس میں اس کے
جادو ہے وہ گلعذار اپنا

آتی ہی نہیں زباں سے اب بات
یاں تک ہوں میں شرمسار اپنا

جو حق کی رضا ہے، سو ہی سچ ہے
جھوٹا ہے سب اختیار اپنا

کیا جا کے کروں گلی میں تیری
کچھ بھی تو نہیں شمار اپنا

تس پر یہ رقیب کی شرارت
دکھلاتا ہے مجھ کو پیار اپنا

اس دوستی پہ نہ بھولیو نینؔ
دشمن ہے یہ در کنار اپنا

ناگن ہے زلف یار نہ زنہار دیکھنا
اُڑ اُڑ کے کاٹتی ہے خبردار دیکھنا

کہتے ہیں لوگ مجھ سے یہ کھل کھلا کے اب تم
خونخوار ہے یہ شوخ ستمگار دیکھنا

شیریں دہن نہ بوجھیو، ہیں شہد کی چھری
ہنس ہنس کے جان لیں ہیں یہ اطوار دیکھنا

کہتا ہوں در جواب انھوں کے میں روبرو
چاہو سو ہو پر مجھے اک بار دیکھنا (؟)

قابو میں آ دبا تو نہیں ہے مرے رقیب
کہیں داد بن گیا تو میرے یار دیکھنا

شانہ، سمجھ کے گیسو زلفوں کو اپنی یار — الجھا ہے اس میں دل یہ گرفتار دیکھنا
دل خوش ہوا کہیں تو پھر اپنا یہ ہے شعار — جاکر کے باغ میں گل و گلزار دیکھنا
اپنی نظر تو نینؔ خدا پر ہے، ہو سو ہو
جو آن باز کھائے سو لاچار دیکھنا

نہیں ہے تجھ سوا کوئی دوسرا اب دلستاں اپنا — کہ جس کو درد دل جاکر سنا دیں اے میاں اپنا
جہاں میں جستجو کی سب عمر پر اب تلک ہم نے — نہ دیکھا قدر داں اپنا نہ کوئی مہرباں اپنا
مجھے پروانہ پر یارو بڑا افسوس آتا ہے — شمع کی آشنائی میں دیا آخر کو جاں اپنا
خبر لے آکے جلدی اپنے عاشق دیدہ گریاں کو — وگرنہ سوخت ہوتا ہے ابھی دل شمع ساں اپنا
گئی آخر خفا ہو کر کے ایسی گل کے ہاتھوں سے — چمن میں پھیر بلبل نے نہ دیکھا آشیاں اپنا
مجھے اس فصل گل میں ہر گھڑی حسرت یہ آتی ہے — کسو کو بھی کیا ممنوں نہ تو نے باغباں اپنا
ترا اندوہ، درد اور فکر، حسرت اس میں رہتے ہیں — عجب ترکیب سے آباد ہے یہ خانماں اپنا
تجھے ہجوم میں ہم دیکھ کر یوں تاڑ جاتے ہیں — کہ جوں لشکر میں بولیں دور سے "وہ ہے نشاں اپنا"
وہ دل دیتا نہیں ہے نینؔ ہرگز اپنی باتوں پر
سناؤں کس طرح اس کو میں فریاد و فغاں اپنا

وہ یار ہم سے خفا ہے تو ہو، ہوا سو ہوا — پھر اس کا قصہ ہی کیا، جلنے دو ہوا سو ہوا
اگر رقیب شرارت سے باز نہیں آتا — بلا سے اپنی کنوئیں میں پڑو، ہوا سو ہوا
ہر اک بات میں تم کیوں الجھتے ہو یارو — دیکھو یہ مفت گدھے مت چڑھو، ہوا سو ہوا
یہ سارا قضیہ تو ہم سے ہے اس سے تم کو کیا — تم اپنے ایک طرف ہو رہو، ہوا سو ہوا
ہم اپنا آپ ہی کر لیں گے انفعال اس سے — ہمارے بیچ کوئی مت پڑو، ہوا سو ہوا
یہ سب لڑانے کی باتیں ہیں تم جو کہتے ہو — ذرا تو خیر کا کلمہ کہو، ہوا سو ہوا
ہمیں تو یار سوا اپنے نئیں کسو سے کام — برا کسی کو لگے تو لگو، ہوا سو ہوا
رنگا ہے اب تو زمانے نے خوب کالا رنگ — یہ لال، زرد دکھائی کرو، ہوا سو ہوا
گر ان بتوں سے تری نینؔ پیش نہیں جاتی
تو پھیر بے ہودہ کیوں بکتے ہو ہوا سو ہوا

جفا کا اس کی گلہ مت کرو ہوا سو ہوا / خدا کے واسطے چپکے رہو، ہوا سو ہوا
سنے گا وہ تو خفا ہوگا پھر نئے سر سے / کسو کے کان میں کچھ مت کہو، ہوا سو ہوا
یہ گفتگو جو کرو ہو سو کچھ بھلی نہیں ہے / کسی سے فعل عبث مت لڑو، ہوا سو ہوا
مجھے تو پاک محبت ہے، مت کرو بدنام / کہیں خدا کے غضب سے ڈرو، ہوا سو ہوا
پھرے ہے وہ تو سپر سیف لے، ارے یارو / کسی سے قضیہ نہ ہو دیکھیو ہوا سو ہوا
یہ مرض عشق ہے اس کی دوا کرو موقوف / طبیب معنت میں رسوا نہ ہو، ہوا سو ہوا
گرا جو چاہ زنخ میں کوئی، تو یوں بولا / سزا ہے، غوطہ ذرا کھائے دو، ہوا سو ہوا
سنا جب ان نے فلانا تو آج مر ہی گیا / کہا بلا سے مری، کوئی مرو، ہوا سو ہوا

اگر نصیب میں ایسا ہی کچھ لکھا ہے یقین
تو پھر بس نہیں لاچار، جو ہوا سو ہوا

تیری گلی میں جو کوئی دھوکے سے جا پھرا / بے واسطہ کو زخم وہ سینے پہ کھا پھرا
کیا جانے کیا بلا ہے ترے کوچے میں صنم / جو کوئی پھرا، سو واں سے نہایت خفا پھرا
ہے نام آشنا کا لیکن آشنا کہاں / اپنا سا میں کروڑ جگہ آزما پھرا
پوچھے کوئی کسی کو سو امکان ہی نہیں / ناپرسی کا یہ دور انوکھا بھلا پھرا
اب کیا کہوں نصیبوں کو سچ ہے بقول میر / 'ادھر تو ہم سے تم پھرے ادھر خدا پھرا"
میرا تو دل پھرا تھا برہمن کی شکل سے / پربت کو دیکھتا ہوں تو وہ بھی بھلا پھرا

پیغامبر کے آنے کا مت ذہن کر خیال
دیوار قہقہہ کا نہ کوئی گیا پھرا

جس کے گھر ناز سیتی چل کے وہ جانا آیا / گویا بنگالہ کا گھر اس کے خزانہ آیا
لطف سے جس کو شہ حسن کا نامہ آیا / قبضہ میں اس کے تمام حاصل کا مار آیا
چٹپٹی دل کی بھی یار کے دیکھے سے یوں / بھوکے کو جیسے کہیں سے گویا کھانا آیا
چاہا جب میں نے، کہوں تجھ سیتی مطلب اپنا / کچھ نہ کچھ یاد تجھے وہ نہیں بہانہ آیا
خوں بہائے گا یہ پروانے کے جی کا جب تو / لازم ہر ایک سے عمر تئیں شمع جلانا آیا

لاکھ سر مارو اگر تو بھی نہ پوچھے کوئی
آنکھوں کے دیکھتے یہ زور ہی زمانہ آیا

گھر بہ گھر بھرنے کی عادت ہے تری جیوں خورشید
مہر سے نین کے گھر لیک نہ آنا آیا

ذرا کیجے غور حضرت سلامت
یہ کیا سیکھا ہے طور حضرت سلامت

مناسب نہیں ہم غریبوں کے اوپر
کرو اس قدر جور، حضرت سلامت

تمھیں چھوڑ کر اب کہیں درد کس سے
ہے کوئی دوسرا اور حضرت سلامت

نہیں جانتے تم سوا ہم کسی کو
ہمارے ہو سرمور، حضرت سلامت

ہر اک دانے میں دل پڑے دیکھتا ہوں
زہے پہنچے بلّور، حضرت سلامت

اسی آستانے بغیر ہم کو جگ میں
نہیں ہے کہیں ٹھور حضرت سلامت

لگائی ہے صندل کی تم نے جبیں پر
قیامت ہے یہ کھور، حضرت سلامت

نہیں بولتے ہم سے، سو کیا سبب ہے
یہ کہہ دیجے فی الفور حضرت سلامت

نجیبوں سے کیوں کر خوشی ہو تمہاری
کمینوں کا ہے دور حضرت سلامت

بس اب کیجے معاف دیکھیں تماشا
نکلتی ہے گنگور، حضرت سلامت

کسو کی عقل میں آیا نہیں یہ راز ہنوز
مرغ دل کس لیے کرتا ہے یہ پرواز ہنوز

اور سب مانی نے تیری تو بنائی تصویر
پر درست ہو نہ سکی چہرے کی پرداز ہنوز

شمع رو دیکھ ترا، ہوئے شمع شرمندہ
کہیں دیکھا نہ سنا کوئی ترے دم ساز ہنوز

ہو گیا آہ سے میری تو خنک سب عرش
لیک پہنچی نہ ترے کان تک آواز ہنوز

حشر تک دید میسر ہو ترا، سو معلوم
پر کیے جاتا ہوں، اپنی سی تگ و تاز ہنوز

چرخ ظالم کی خوشامد تو بہت کی لیکن
ظلم اپنے سے نہ آیا کبھو وہ باز ہنوز

کر دیے آن میں سو لخت، جگر کے میرے
تیغ ابرو کا عجب کاٹ ہے طنّاز ہنوز

غیر کے بر میں، میں دیکھوں ہوں نپٹ خوش تجھ کو
ہم سے ہر بات میں تیکھے کا ہے آغاز، ہنوز

جفا و جور ہی سمجھیں ہیں دلستاں افسوس
وفا کے نام سے بھاگیں ہیں یہ بتاں افسوس

شمع کو جلتے، نہیں دیکھ سکتا پروانہ
تصدق ہو کے وہ دیتا ہے اپنی جاں افسوس

سنی نہ تم نے کبھو دل کی داستاں میری
یہ کہتے کہتے گئی ساری گھِس زباں افسوس

کرم رقیبوں کے اوپر، ستم غریبوں پر
یہ دیکھتے ہی گیا مجھ کو جاوداں افسوس

ترا یہ بوس و کنار ہم کو کیوں کہ ہو حاصل
زمین سخت ہے اور دور آسماں افسوس

جو مدعا ہے مرے دل کا مستتر یارو
کرے ہے آہ اسے فاش ہر زباں افسوس

سب اپنی غرض کے ہیں یقینؔ یار دنیا میں
نہیں کسو کا کوئی دوست، مہرباں افسوس

ہیں تو تحقیق سبھی یہ بت گمراہ غلط
لمبی پوششیں انھوں کی ہے مع وجاہ غلط

راز اس عقدہ لاحل کا کوئی پاتا نہیں
کیوں کرے ہے یہ مرے حق میں مری آہ غلط

نہ سنا آج تلک ہم نے کسو کے منہ سے
بولتے ہوں کہیں مردمِ آگاہ غلط

جو کہیں بات زباں سے سو ہے پتھر کی لکیر
کب کہیں حق میں کسو کے جو دل آگاہ غلط

آنا تیرا تو مرے یار العلم عند اللہ
لوگوں کے منہ کی ہے سب طرح یہ افواہ غلط

دیکھنے سے تو کبھو بھی نہ ہٹے دل ہرگز
گرز نخ نہ پیچ نہ ہووے ترے یہ چاہ غلط

یقینؔ ہرگز تو دل اپنے میں گرانی مت لا
حرف بے جا کہے کوئی تجھ کو گراز راہ غلط

دلدار ہوا ناخوش، اب دل کا خدا حافظ
نظروں میں لگا لڑنے بسمل کا خدا حافظ

خنجر سے مژہ کے یہ سب سینہ کیا زخمی
کچھ بس ہی نہیں چلتا گھایل کا خدا حافظ

کس طرح کوئی جیتے، ناداں سے پڑا پالا
بے طرح کی خواری ہے، عاقل کا خدا حافظ

غیروں سے چلتا ہے یاروں سے بچتا ہے
چھوتے ہی مچلتا ہے چنچل کا خدا حافظ

اپنی ہی وہ کہتا ہے پر اور کی نہیں سنتا
ہر اک سے الجھتا ہے، جاہل کا خدا حافظ

شہ گُل کی خبر آئی، آتا ہے لیے لشکر　　گلشن میں پڑی کھلبلی، بلبل کا خدا حافظ

میں تجھ کو نہ کہتا تھا، مت تین بتوں سے مل

دل دے کے ہوا رسوا، اب دل کا خدا حافظ

اتنا سکے ہے آپ کو گرچہ جلائے شمع　　پروانے کے مذاق کو تو بھی نہ پائے شمع

سر تا قدم ہے یار جسے سوز اور گداز　　پہلے ہی سب سے بزم میں یہ کیوں نہ آئے شمع

لگ جائے ماہ رو کا اگر ہاتھ ناز سے　　کب پیرہن میں اپنے خوشی سے سمائے شمع

شعلے کو تیرے نور کے کہیں دیکھ لے اگر　　خاطر میں پھر کسی کو ذرا بھی نہ لائے شمع

پردے میں مارے شرم کے لاچار ہے ولے　　پروانہ پاس پہنچے ابھی پر لگائے شمع

کب یہ خیال تھا کہ یہ پروانے کی طرح　　یوں مفت جی جلائے دیا تو نے ہائے شمع

کیا اب اک قدم بھی تجھ آگے وہ چل سکے　　خلوت میں تیری رہوے کھڑی ایک پائے شمع

جی لیتے ہی ڈرے ہے نہ جی دیتے ہی ڈرے　　کیا جانے کچھ یہ کیسی ہے یارو بلائے شمع

مت پوچھ راز شوخ کا تو ہمیں اور سے

کس واسطے کہ کون ہے محرم سوائے شمع

دیکھتے ہی اس بتِ خوش قد خراماں کی طرف　　پھر کبھو ہرگز نہ آیا میں گلستاں کی طرف

جو کہ غفلت میں پڑے ہیں سو تو ہیں سب بے نصیب　　اب تلک ڈالے پڑے ہیں سر گریباں کی طرف

زندگی جن کے تئیں کو تھی نپٹ کر کے عزیز　　وے تو دوڑے پینے کو آبِ حیواں کی طرف

بعضوں نے چاہا کہ ہم بھی دیکھ لیں تو کچھ بنے　　ق　اٹھ چلے ہے دیکھنے کو تیرے بستاں کی طرف

جب نظر آئی ترے کوچے میں کثرت بھیڑ بھاڑ　　بزدلے جی لے کے بھاگے تب بیاباں کی طرف

رہ گئے عاشق ترے دل کر جو کوئی مرد تھے　　پل گئے چالاکی سے زلفِ پریشاں کی طرف

عاشقی کچھ خانۂ خالہ نہیں سو پیش جائے　　سر کے بدلے دیکھنا ہے ماہ رویاں کی طرف

یاد میں اس کی فنا ہو اور خودی کو چھوڑ دے　　تب میسر ہو تجھے کہیں ماہ تاباں کی طرف

اس حقیقت کو تو جانیں ہیں جو ہیں اہلِ دل

شیر خواروں کی ہے حرکت آبادزاں کی طرف

دوری سے تیری یار بڑھا ضعف یہاں تلک　　طاقت نہیں سخن کی جو پہنچے زباں تلک
تجھ ہجر کا تو ہے ہی نہیں انتہا کہیں　　ہر چند جی میں غور کیا میں جہاں تلک
اس ماجرا کو جا کے کہوں کس کے روبرو　　میری تو دوڑ ہے گی ترے آستاں تلک
میں ہوں زمیں پہ اور فلک ہشتمیں پہ تو　　پر ہووے تو بھی اڑ کے نہ پہنچوں وہاں تلک
کیا منہ ہے تیرے کوچے میں جاوے کوئی صنم　　دشوار ہے پہنچنا ترے خانماں تلک
اب تو پہنچ رہے گی ترے کان میں کبھو　　آہ و فغاں گئی ہے مری آسماں تلک
گل کے ستم کی ماری چمن سیتی عندلیب　　ایسی گئی کہ پھر نہ پھری آشیاں تلک
آوے بہار جلدی سے ایسا خدا کرے　　کس کس خوشی سے جائیے پھر بوستاں تلک

کہنا کسی کا یار ترے بھا دیں ہی نہیں
اس داستاں کو یقیں کہے اب کہاں تلک

تجھ تیغ کی نگہ سے مرا کٹ گیا ہے دل　　بہتر ہے سینے کے ٹکڑے ہو کر بٹ گیا ہے دل
جب سے جمال تیرا میں دیکھا ہے اے صنم　　تب سے سبھی طرف سے مرا ہٹ گیا ہے دل
انداز ناز قہر ہے اس کے نہ میں کہوں　　پر خال و خط میں جا کے ترے بٹ گیا ہے دل
آگے کو بڑھ سکے ہے نہ پیچھے کو ہٹ سکے　　یاں تک ترے خیال میں اب ڈٹ گیا ہے دل
ذرا سے دیکھتے ہی یہ بدلی نظر تری　　من میں چھٹنکی سیر پیچھے گھٹ گیا ہے دل
ہوتا ہے شب کو جا کے ہم آغوش غیر سے　　یہ بات سن کے یار نپٹ چھٹ گیا ہے دل

جیسا ہے سبز خط تیرا اور شوخ چشم
ان دونوں بیچ آ کے میرا الٹ گیا ہے دل

چاہتا ہوں کہ ملے یار وفادار کہیں　　کیا کہوں ہے ہی نہیں جگ میں وہ زنہار کہیں
ہر گھڑی زخم کریں سینے پہ تیغے کی مثال　　بچلے رہتے ہی نہیں ابروئے خم دار کہیں
سیم و زر لے کے دوڑیں ہیں خبر سن سن کر　　کب ہٹیں دیکھ کے یوسف کو خریدار کہیں

جیتے جی منزلِ مقصود کو پہنچو سو بخیر　　بعد مرنے کے کہیں ہیں ملے دیدار کہیں
جو ملے سو ہی جفا پیشہ، ستم گر، بیدرد　　یعنی دیکھے ہی نہیں ایسے طرح دار کہیں
کم نصیبی سے کسو طرح نہیں ہے چارہ　　ورنہ بے مہری کریں کیوں مرے دلدار کہیں
آمد اور رفت ہے دنیا کی کبوتر خانہ　　گل سے خالی نہ رہے جگ کا یہ گلزار کہیں
دائم المرض شفا پاوے یہ تو ممکن ہے　　چنگا ہوتا نہیں تجھ چشم کا بیمار کہیں
کم نگاہی سے یہ ظالم نے کیا غارت دل　　رحم ذرّا بھی نہ لایا وہ دل آزار کہیں
وہ جو اک تولہ کئی ماشہ تھی یاری تم سے　　رتّی بھر بھی نہ رہا اس میں کچھ آثار کہیں
واہ واہ چاہیے ایسا ہی تمہیں رحمت ہے　　بار دیگر نہ کرے پھر کوئی تکرار کہیں
یہ جو کچھ جور و جفا تم نے کیا نینؔ اوپر
ایسا کوئی کرتا ہے بتلا تو بھلا یار کہیں

ناصح نہ بک زیادہ مرا مان یہ سخن　　مجھ سیتی چھوٹے عشق، ہے امکان یہ سخن
تسبیح، نماز، روزہ سے مجھ کو نہیں ہے کام　　میں بت پرست ہوں مرا پہچان یہ سخن
ہر روز مجھ کو عشق سے کیوں روکتا ہے تو　　آخر کو کھو رہا ہے تری جان یہ سخن
دلدار، دلربا ہیں مرے دل کے مشتری　　میں ان کا دکھڑا، ہوں مری جان یہ سخن
اتنے میں میرا یار مرے پاس آگیا　　کہنے لگا کہ کیا ہے مہربان یہ سخن
اس بے حیا سے کاہے کو خالی کرو ہو مغز　　یہ بے وقوف ہے جو کہے آن، یہ سخن
طالب کو معرفت کے، سبھی چیز ہیں معاف　　اکثر کے کہہ گئے ہیں قدردان یہ سخن
القصہ ہو خموش، کیا میں نے یہ یقیں　　جب منہ سے یار کے پڑا مجھ کان یہ سخن
بہتر ہے سب سے، دوستی اپنی خدا کی نینؔ
فعل عبث ہے یاری، گیہان یہ سخن

فصلِ گل میں ہر گھڑی یہ ابر و باراں پھر کہاں　　دیکھ لو خوش ہو کے یاراں یہ بہاراں پھر کہاں

ہے سعادت قمریو اس کے تصدق ہو چلو ورنہ کوئی دن کو یہ سرو خراماں پھر کہاں
آج آئی ہے نظر مجھ دل کے شیشے میں پری دیکھ لو لحظہ میں یہ صورت نمایاں پھر کہاں
میں چمن میں پی کے مے کو اس لیے کہتا ہوں لیر کون جانے ساقیا یہ گلعذاراں پھر کہاں
قول ہے حضرت یقیںؔ کا تب تو یوں کہتا ہے نیںؔ
بھر کے دل رو لیجیے یہ چشم گریاں پھر کہاں

جن نے مجھ دل کو لیا کل تھا چُرا آنکھوں میں آج پھر بھی وہی آتا ہے چلا آنکھوں میں
یارو اس شوخ کی حرفت کا بیاں کیا کیجیے مجھ کو ممنون کیا رہ کے ذرا آنکھوں میں
رحمت ہے آفریں، شاباش تری دانش کو (؟) غرض ملنے کی مرے تاڑ گیا آنکھوں میں
رفت اور روب میں مژگاں سے کیا ہے گھر کو (؟) کیا بنائی ہے ترے واسطے جا آنکھوں میں
تجھ سوا کون ہے ایسا کہ جسے میں چاہوں تو ہی بستا ہے میرے یار سدا آنکھوں میں
کیوں نہ ہر ایک کے ملنے میں کرے یار حجاب وہ تو دِکھتا ہے نپٹ شرم و حیا آنکھوں میں
روئے وہ مردمک دیدہ اگر تجھ کنے نیںؔ
ہو کے بیتاب یہی کہیو کہ آ آنکھوں میں

دیکھ کر حسن یار آنکھوں میں ہو گیا بے قرار آنکھوں میں
چشم تیری کو دیکھ کہتا ہوں خوب پھولی بہار آنکھوں میں
اک نظر تجھ کو دیکھتے ہی میاں بڑھ گیا انتظار آنکھوں میں
گرچہ تقصیر دل کی ثابت نہیں پھر یہ کیوں ہے غبار آنکھوں میں
کب زباں سے کہوں مرے اس کے ہو گیا جو شمار آنکھوں میں
بعد مدت کے میں ملا اس سے وہی پایا ہے پیار آنکھوں میں
نیںؔ اپنے کو کیوں ستاتے ہو
آ کے بے اختیار آنکھوں میں

جو بات منع کی ہے اسے کہیے کیوں   جو شے کہ حرام ہے گی اسے کھیے کیوں
کھوٹا ہو اگر دام ہی اپنا، یارو   صراف کو پھر عیب عبث لیجے کیوں
خطرہ ہے صریح جی کا سمجھ دیکھ تو جی میں   جو راہ کہ مرتے ہوں اُدھر جیئے کیوں
جس بستی میں انصاف کا کہیں نام نہ ہووے   اس بستی میں پھر فعل عبث رہیے کیوں

بات اپنی پیش نہ جاتی ہووے
بے فائدہ پھر بولنا وہاں چہیے کیوں.

دیجیے نہیں کسو کو تو پھر لیجیے بھی نہیں   نیکی نہ بن سکے تو بدی کیجیے بھی نہیں
توقیر حسن شرط ہے دل دینے کے لیے   گر حسن ہی نہ ہو تو کبھو ریجھیے بھی نہیں
ہووے اگرچہ اپنی شرافت او پر نگاہ   ہرگز بدی کے کام پہ دل دیجیے بھی نہیں
ایدھر سے سیتے جاؤ اودھر سے پھٹتا جائے   ایسے طرح کے کپڑے کو پھر سیجیے بھی نہیں
دینا دلانا سارا ہے اک نام کے لیے   گر نام بھی نہ ہو تو عبث چھیجیے بھی نہیں
کوئی سا معاملہ ہو پہلے چھان لیجیے   یکبارگی بھڑک کے کبھو کیجیے بھی نہیں

مے کا مزا جبھی ہے کہ جب ماہ رو ہو پاس
گر ماہ رو نہ ہووے تو مے پیجیے بھی نہیں

یار کے دل میں گر پیار نہ ہو   اس قدر دل یہ بے قرار نہ ہو
اس صنم سیتی پھر ملیں کیا خوب   دل میں اپنے اگر غبار نہ ہو
سچ کہہ بلبل تو کیا کرے گل کو   باغباں گر خود اختیار نہ ہو
جو کہ دل کینہ دار ہے اس کا   عاشقوں میں کبھی غمسار نہ ہو
کیا مزا ہے شراب پینے کا   جب تلک پاس گلعذار نہ ہو
دیکھے اٹھکھیلی سے تجھے چلتے   کیوں نہ پھر سرو شرمسار نہ ہو.

فعل عبث بوجھ زندگی کو نیّن
بس میں اپنے اگرچہ یار نہ ہو

کہی نہیں جائے آہ، مت پوچھو — لگی ہے چوٹ، چاہ مت پوچھو
اُس شکر لب کے کچھ نہیں بھائیں — ہنسے ہے تماہ تماہ مت پوچھو
مفت مرنا ہے اُس کے کوچے میں — کوئی اودھر کو راہ مت پوچھو
ہنس کے بولیں نہیں ہیں غنچہ دہن — یا پکڑے واہ واہ مت پوچھو
کسی نے بحرِ عشق کی اب تک — نہیں پائی ہے تھاہ مت پوچھو
شوق میں تیرے پھرتے ہیں گھر گھر — روز و شب مہر و ماہ، مت پوچھو

نیَن کو آرزو ہے ملنے کی
خواہ کوئی پوچھو، خواہ مت پوچھو

بڑی ہی یار ہے گی خند تم کو — کہے کیوں کر نہ خلقت رند تم کو
نہ ملنا اس قدر کا کس سے سیکھا — کہو سچ، حق کی ہے سوگند تم کو
کیا تم نے اگر قتل عاشقوں کو — کہے گا کون پھر دلبند تم کو
نہیں رکھتے ہو تم خاطر کسو کی — کہا میں سو دفعہ ہر چند تم کو
یہ باندھا جب سے تم نے سرخ چیرا — کہیں ہیں لوگ چیرا بند تم کو
یہ باعث ہے تمہارے سبز رنگ کا — کرے ہے پیار سارا ہند تم کو

کہا اب نیَن کا کاہے کو مانو
چڑھی ہے بھنگ یہ بے بند تم کو

دل کو سمجھاتا ہوں میں ہر بار، ہونا ہو سو ہو — خو بردیوں سے نہ مل زنہار، ہونا ہو سو ہو
بات کہنے سیتی پرائی ہوئے یہ تو جان لے — رازِ دل کا مت کرے اظہار، ہونا ہو سو ہو
خود پسندی چھوڑ دے اور تلخ گوئی ترک کر — اس میں ہرگز مت کرے تکرار، ہونا ہو سو ہو
مجھ کو تیرے دیکھنے کی غرض ہے اور کچھ نہیں — کوئی اگر رسوا کرے بیکار، ہونا ہو سو ہو
طوق اور زنجیر کو خاطر میں یہاں لاتا ہے کیوں — میں تو دیوانہ ہوں تیرا یار، ہونا ہو سو ہو

زلف کے زنداں میں یارو کیا پڑا اندھیر ہے — چھوٹنے سے کچھ نہیں سروکار، ہونا ہو سو ہو

واسطے میرے نہ کیجیو کوئی معالج کی تلاش
نرگسی چشموں کا ہوں بیمار، ہونا ہو سو ہو

یہ جان اگرچہ ہو تو تیرا ہی ہو — قربان اگرچہ ہو تو تیرا ہی ہو
تازیست کسی کا بار احسان نہ لوں — احسان اگرچہ ہو تو تیرا ہی ہو
دونوں ناچیز، کیا گدا اور کیا شاہ — فرمان اگرچہ ہو تو تیرا ہی ہو
بیمار عشق کا نہیں کوئی طبیب — درمان اگرچہ ہو تو تیرا ہی ہو

سائے کو میرے لیے جہاں میں
داماں اگرچہ ہو، تیرا ہی ہو

عاشقوں کا تو یہ احوال ہے دلدار کے ساتھ — کبھی پو شیش چلے جس طرح سردار کے ساتھ
سلطنت ہند کی سب بخش دوں اس دم یارو — باتیں جس وقت کرے ہنس کے صنم پیار کے ساتھ
میرے اور اس کے کوئی بیچ میں ہرگز نہ پڑو — سر لگایا ہے میں نے طرہ خمدار کے ساتھ
خوبیاں گو کہ ہزاروں ہیں جہاں میں لیکن — زندگانی کا مزا سارا ہے روزگار کے ساتھ

چشم خونخوار، بھنویں تیغ کی، یوں ہے تعریف
بانکے ہوتے ہیں سپاہی سب ہی ہتھیار کے ساتھ

اب تو اس دل کو تازہ جاں کیجیے — یعنی گلشن میں آشیاں کیجیے
یہ بھی اک سیر ہے گلوں کے لیے — عندلیبوں کو باغباں کیجیے
زندگانی تو ہے مثالِ حباب — کب تلک چاہ گل رخاں کیجیے
راز دل کا کبھو بھی فاش نہ ہو — زردیٔ رخ کو گر نہاں کیجیے
زمانہ ہے اک طرح کا یار — دل کا احوال کیا بیاں کیجیے
آسماں پھٹ کے گر پڑے سارا — حسبِ حال اپنے گر فغاں کیجیے
جب تلک زندگی خدا دیوے — تب تلک فکرِ آب و ناں کیجیے
دولت وصل گر میسر ہو — عیش ہی عیش جاوداں کیجیے

ہو سکے سب ہوس دے لیکن
بوڑھے کو کس طرح جواں کیجیے

ہونا جو کچھ تھا سو تو ہو گزرا
معاف تقصیر خوردگاں کیجیے

کمتریں ہے تمہارا عاجز نیؔن
اتنا غصہ نہ مہرباں کیجیے

کبھو کسی کا گلا اپنی تو بلا نہ کرے
یہ بے وفا سے کہیں دل لگے خدا نہ کرے

کیا ازل سے ہے صانع نے بت پرست مجھے
کبھو بتوں سے پھر دل میں' یہ تو خدا نہ کرے

یہ مانگتا ہوں دعا روز حق تعالے سے
بتوں سوائے کہیں دل کو مبتلا نہ کرے

اگرچہ یار ہے ظالم تو کیا ہوا یارو
مگر ہے خوف یہ، کوئی بددعا نہ کرے

وفا کی تجھ سے توقع تو کچھ نہیں مجھ کو
یہ ممکن ہے کہ ستم گار کہیں جفا نہ کرے

اگر مریض بغیر از علاج چنگا ہو
طبیب جگ میں کسو کے تو پھر دوا نہ کرے

شمار عاشقوں میں اس کا کچھ نہیں ہے نیؔن
شمع نمط جو کوئی عشق میں گلا نہ کرے

جی میں آتا ہے کہ اس مشکل کو آساں کیجیے
اپنے فیضِ اشک سے صحرا گلستاں کیجیے

گر یہی ٹھہری کہ اب مجنوں کو مہماں کیجیے
اس خیاباں کی جگے یاروں بیاباں کیجیے

نوح کا طوفاں بھی چھپے آن کر مانگے پناہ
حسب حال اپنے اگر یہ دیدہ گریاں کیجیے

عمر سب آخر ہوئی اور ہجر جیوں کا تیوں رہا
کب تلک اس سوختگی میں جان بریاں کیجیے

چشم میرے آج تک بھی گرد افشانی کریں
یار سے ملنے کا پھر کیا خوب ساماں کیجیے

سرو بھی حیراں ہو اور فاختہ بے تاب ہو
تجھ سے خوش قد کو جو گلشن میں خراماں کیجیے

عشق کی سختی تبھی معلوم ہووے دل کو نیؔن
قیس کے ہمراہ جب سیر بیاباں کیجیے

تجھ سے شکوہ سنا کبھی نہ کبھی
یعنی بوسہ دیا کبھی نہ کبھی

دست کوتاہ کر، تعدی سے
مان کہنا ذرا کبھی نہ کبھی

ہر طرح شوخ کو ملوں گا میں
اس بلا سے بچا کبھی نہ کبھی

قصہ کیجیو تمام، دل اپنا — گر تُو نے دلبرا، کبھی نہ کبھی
مندلی یا شفقی یا اگری — شیخ ڈاڑھی رنگا کبھی نہ کبھی
آسماں سارا ہو گیا غربال — ہم نے نعرہ کیا کبھی نہ کبھی

نیّن تجھ کو دکھاؤں گا وہ دن
گر میں جیتا رہا کبھی نہ کبھی

مجھ سے تو ترا عشق یہ زنہار نہ چھوٹے — اپنا تو یہ خاصا ہے اے یار نہ چھوٹے
تجھ چاہ زنخ کا تو گرفتار نہ چھوٹے — جیوں یوسف مصر سے خریدار نہ چھوٹے
یہ شیخ و برہمن ہیں نرے قصۂ دلال — ان سے تو کبھو تسبیح و زنّار نہ چھوٹے
فریاد کروں کس سے ترے ظلم کی اے شوخ — تجھ سے تو جفا کاری کا اطوار نہ چھوٹے
تجھ قد کی صفت کیا کہوں سبحان اللہ — ہر لحظہ کی اٹھکھیلی کی رفتار نہ چھوٹے
ٹک چلتے تجھے دیکھے تو ایسا ہی خجل ہو — تا حشر کبھو کبک سے کہسار نہ چھوٹے
ہر روز اگر لاکھ دوا دیویں طبیباں — تجھ عشق کے بیمار سے آزار نہ چھوٹے
جب تک کہ نہ ہو ہجر کی آفت سے خلاصی — چشموں سے مری اشک تو یکبار نہ چھوٹے
ہر چند ہووے باغباں مانع و مزاحم — بلبل سے تعشق گل و گلزار نہ چھوٹے
مجنوں کو ملا دشت اور فرہاد کو تیشہ — قسمت کا لکھا یوں ہی تھا لاچار نہ چھوٹے

یہ نیّن تری یاد میں مسرور ہے دائم
یا بارِ خدا اس کا یہ اطوار نہ چھوٹے

غصہ کو ترے کیا کہوں ایسا ہی غضب ہے — قاصر ہے زباں، ہوش فرشتے کا سلب ہے
کہاں تک میں کروں آپ کے اوصاف کا شکوہ — جھڑکی تو ہر اک بات ہے دشنام لقب ہے
ہم سے تو گئی چشم بدل طوطے کی مانند — غیروں سے ملی جا کے، یہ تو زہ ہی ڈھب ہے
از روز ازل خواہش، ملنے کی ہے واللہ — کیا جانیں ترے ملنے کا وہ روز بھی کب ہے
رفتار زمانے کی اگر بگڑی تو بگڑے — ہم کو تو نفع اس سے نہ آگے تھا نہ اب ہے
ہر چند کہو کوئی نہ سنے بات کسی کی — اس گردشِ افلاک کا یہ طور عجب ہے

وحدت تھی میسر سو تو وہ دن گئے افسوس — کثرت میں پڑی آکے یہ قسمت کا سبب ہے
ہفتاد و دو ملت ہے یہ سب مظہر اسی کا — بت خانے میں، کعبے میں وہی ایک ہی رب ہے
تھے عاشق و معشوق اگر وامق و عذرا — ان پر تو صریح مجنوں کا احوال عجب ہے
دانا تو سبھی کم سخن ہوتے ہی ہیں از بس — اس کو نہ سمجھ عیب، یہ تو پاسِ ادب ہے

ٹک اپنی جھلک نور تجلّی کی دکھا دے
مدت سے ترا نیّن یہ دیدار طلب ہے

اے شوخ دل آزار ترا کام یہی ہے — عاشق کو کرے خستہ و بدنام یہی ہے
دامن کو پکڑ تیرے، یہ محشر میں کہوں گا — دیتا ہے مجھے مفت میں دشنام یہی ہے
جز یادِ خدا صرف، نہ کرنا کبھو انفاس — از بسکہ عبادت کا سرانجام یہی ہے
رکھتی ہے سدا دل کو مرے دام میں اپنے — مکھڑے پہ تری زلفِ سیہ فام یہی ہے
ہر روز تری جستجو میں پھرتے ہی رہنا — لے صبح سے تا شام، مجھے کام یہی ہے
صہبا کا تو ساقی ہو تو پھر اللہ ہی اللہ — دل خواہ شکلِ عشرت و آرام یہی ہے
آسودہ کو کچھ دیجیے تو اس کی نہیں تعریف — مفلس کو اگر دیجیے تو نام یہی ہے

بارہ صدی کا دور، جو سنتے تھے ہم، نیّن
بے شک شبہ، تحقیق وہ ہنگام یہی ہے

مر گئے کھینچتے ہی ہجر کے آزار کئی — تیرِ مژگاں سے ترے تھے جو دل افگار کئی
جنس یوسف کی تجھے دیکھ کے اے مایۂ حسن — ہر طرف سے چلے آتے ہیں خریدار کئی
کیا بلا دام ہے تجھ زلف کا دل کے حق میں — ہوتے ہیں دیکھتے ہی جس کے گرفتار کئی
ایسے بے قدر ہیں دل، یار ترے کوچے میں — جیوں پڑے رہتے ہیں صحرا میں خس و خار کئی
راست ہے دنیا کا احوال بقولِ سودا — "ایک زنداں ہے کہ جس میں ہیں گرفتار کئی"
کچھ نہ فرہاد کی گنتی ہے نہ کچھ مجنوں کی — کر دیے چرخِ ستم گار نے لاچار کئی

کس سے جا کر کے کہوں حال زمانے کا نیّن
جان اپنی سے تو بیزار ہیں اب یار کئی

رقیباں اس طرح پھرتے ہیں نت اُس یار کے پیچھے
کہ جیسے ٹھگ پھریں زور آوری زردار کے پیچھے

دوا کوئی کیا کرے اب مفسدوں کی ایسی بن آئی
طبیبوں کی بنے جس طرح سے بیمار کے پیچھے

نہ سوجھا وقت پر کچھ، پھیر کچھ کا کچھ لگے بکنے
کہ جیوں دشنام یاد آوے کسی کو مار کے پیچھے

پڑا ہے کام یوں فریاد سے تجھ عشق میں ظالم
کہ جیسے داد خواہ ہووے کوئی خونخوار کے پیچھے

ہجوم آہ، بن لیلیٰ کے یوں ہے قیس کے ہمرہ
کہ جیوں لڑکے تماشے کو پھریں سے خوار کے پیچھے

نظر کی مہر سے تم نے، تو یہ رتبہ ہوا مجھ کو
کہ جیوں ادنیٰ سے اعلیٰ ہو کوئی سردار کے پیچھے

لکھا تقدیر کا مٹتا نہیں، کہتے ہیں سب لیکن
جو کچھ بے قدری ہے جگ میں سو ہے روزگار کے پیچھے

ہوا جو کچھ سو دیکھا اور جو ہوگا سو دیکھیں گے
لیکن معلوم نہیں کیا ہوئے دن دو چار کے پیچھے

نہیں ہے نیک و بد پہ منحصر اب یقیںؔ دنیا میں
جو کچھ جس کی معیشت ہے سو ہے سردار کے پیچھے

دلبر سے یہ سودا ہے مرا، یا کہ یہ دم ہے
ایک دم کی جدائی تیری مجھ پر تو ستم ہے

ملنا ترا اغیار سے تشریح کروں کیا
یہ قہر ہے آفت ہے، غضب، رنج و الم ہے

آئینے سے مجھ دل کے تحیر کو ملا دیکھ
یہ دونوں برابر ہیں کوئی بیش نہ کم ہے

گو عرش پہ خورشید ہے روشن تو بلا سے
مکھڑے کی جھمک تیری یہ کب ماہ سے کم ہے

کوئی ہاتھ لگاتا ہی نہیں خوف کے مارے
ناگن کی لہر ہے کہ تری زلف کا خم ہے

جتنا کہ ہے افراط تری کم نگہی کا
اتنا ہی ادھر دیکھو تو یہ دیدۂ نم ہے

چونکے ہے مجھے دیکھ کے وحشی سی سرس تو
آہوے بھی صد چند تجھے مجھ سیتی رم ہے

کیا کیا کہوں تجھ عاشقی میں گزرا سو گزرا
مت پوچھ یہ مجھ سے تجھے تیری ہی قسم ہے

یا آتے تھے ہر روز یا اب ملتے ہی نہیں ہو
اس یقیںؔ پہ کچھ کیسا تمہارا یہ کرم ہے

کیا منہ ہے کسی کا جو ترے کوچے میں جاوے
جاوے بھی تو پھر کاہے کو دنیا میں وہ آوے

کیا غرض ہے اس کو جو ملے پھیر کسو سے
جب پہنچا ترے پاس جو کچھ چاہے سو پاوے

مارے بھی جلاوے بھی اور آمرز بھی کر دے
عہدے سے تیرے کون ہے ایسا سو بر آوے

دیکھا ہے کہیں گل نے تجھے جس کی خوشی سے
پھولا ہے وہ اتنا کہ قبا میں نہ سماوے

ہر چند غم عشق میں سر چیر کے مر جائے
فرہاد سے خسرو کبھو شیریں نہ ملاوے

تجھ چشم کے غمزہ کو اگر دیکھے نرگس
ہرگز نہ مشابہ میں کبھی آپ کو لاوے

میں مرد گنوں تیں جہاں میں تو اسی کو
تیغے کا تیرے ابرو کے جو وار بچاوے

واجبی بات کہیں ذرا اسے کہیے
بری لگتی ہے سب کو کیا کہیے

مجھ کو اک یہ بڑی سی حیرت ہے
برے کو کس طرح بھلا کہیے

نیکی کا پھل بدی لگا ہونے
اس زمانے کا کیا گلہ کہیے

چرخ ظالم نے سب کو ڈالا پیس
اس کو تحقیق آسیا کہیے

اور ہی احوال دیکھتا ہوں میں
کس کے آگے یہ ماجرا کہیے

جا بجا چھوٹیں جھوٹ کے شتّے
یہ بھی یاروں کا اشغلا کہیے

اُمّی کہتے ہیں ہم تو ہیں فاضل
بے وقوفوں کا در کھلا کہیے

اپنی کرتے ہیں آپ ہی تعریف
ان کے تئیں کو تو چوتیا، کہیے

بے شعوری پہ بسکہ ہیں نازاں
کیوں نہ اب ان کو ناسزا کہیے

شیخ جی نے کیا ہے آج خضاب
اس کو بوڑھے کا چوچلا کہیے

لوگوں کے پھوڑتا پھرے شیشے
محتسب کو تو مسخرا کہیے

پوچ، پادر ہوا، بکے ہے سخن
ناصح کو خواہ مخواہ سڑا کہیے

اپنا سر پھوڑتا ہے آپ رقیب
شوق سے اس کو مُدبرا کہیے

مارے خنڈوں کے مرد آدم کو
کوئی پوچھے نہیں ہے کیا کہیے

ڈاڑھی ملّا کی گو کہ ہے خوگیر
پر مہا دیو کی جٹا کہیے

جن کی حرمت پہ کچھ نہیں ہے نگاہ
ان کو پاپوش کا تلا کہیے

چھپتے پھرتے ہیں وقت جنگ و جدل
بزدلا ان کو برملا کہیے

خود پسندی میں غرق ہے عالم
تیں کس کس کو اب برا کہیے

کس سیتی دل کا مدعا کہیے
کوئی سنتا نہیں ہے کیا کہیے

یار ہم سے کمال ناخوش ہے
کس کے آگے یہ دکھ سنا کہیے

شکوہ کیا تاب، کوئی کہے اس کا
جو کرے وہ سو سب بجا کہیے

سیف ہے یہ تاب سرمئی چشم
قتل عاشق کو توتیا کہیے

بے طرح ہے یہ مرض عشق طبیب
کوئی مجرب سی اب دوا کہیے

وقت پر جو کہ اپنے کام آوے
اسی کو اپنا آشنا کہیے

جس گھڑی یار ہنس کے بولے نینؔ
اس گھڑی کو تو مرحبا کہیے

ہرچند گرم ہو کے اگر برتری کرے
کب آفتاب مہر کی تجھ سے ہمسری کرے

جلوہ ترا وہ ہے کہ پری کو پری کرے
کس کی مجال ہے جو تری ہمسری کرے

وہ جادو تری چشم ہیں اے نرگسی نین
دیکھے جو سامری تو تری چاکری کرے

میرے تو دل کی ہووے سبھی آرزو تمام
جب تو سخن کی اپنے، سخن پروری کرے

خوش قد ترے کی جگ میں تو تمثیل ہی نہیں
کہنے کو سرو ہے پہ کہاں سربری کرے

صانع مرا وہ ہے کہ ہو کیسی ہی چوب خشک
سو سو دفعہ وہ چاہے تو اس کو ہری کرے

ہو باغ باغ نینؔ، وہ غنچہ دہن اگر
دو ایک بات ہنس کے کبھو سرسری کرے

جی کو جب تیری یاد آتی ہے
آگ رنجک کے تئیں لگاتی ہے

بیٹھتے گل پڑے نہ اٹھتے گل
مثل بھونچال ہلہلاتی ہے

گو کہ ہے آہ اپنی بے تاثیر
پر رقیبوں کو ہینگ ہگاتی ہے

قد ترا جب سے دیکھا قمری نے
سرو کو جھٹکی میں اڑاتی ہے

تیرے دانتوں کی یار برّاقی
مثل بجلی کے چمچماتی ہے

اس قدر خوش ہے گل سیتی بلبل
تن میں پھولی نہیں سماتی ہے

جب کہ فریاد کرتی ہے گھڑیال
کٹڑے پانی میں ڈوب جاتی ہے

پر یہ اچرج ہے غیر کی صحبت — کس طرح تیرے تئیں خوش آتی ہے
روز جلتی ہی رہوے ساری رات — شمع کی زور ہی یہ چھاتی ہے
لیلیٰ کے دیکھنے کو آج تلک — روح مجنوں کی تو پھراتی ہے

نین کے دل میں پھر ملنے کی
ایک آتی ہے ایک جاتی ہے

چپ رہ دنیا میں یار کوئی نہیں ہے — کسو کا زینہار کوئی نہیں ہے
اپنی اپنی غرض کے ہیں سب یار — اس میں اب پیر پیار کوئی نہیں ہے
اس زمانے کا کیا کہوں احوال — باپ بیٹوں میں پیار کوئی نہیں ہے
جا بجا ہو گئی خزاں جگ میں — کہیں خدا بھی بہار کوئی نہیں ہے
چاہو کوئی کسو کے کام آوے — ایسا تو روزگار کوئی نہیں ہے
جھوٹوں کے پیر ہو گئے سردار — سچ کا سروکار کوئی نہیں ہے
سب ڈنڈیل ہو گئے صغیر و کبیر — اب تو ایماندار کوئی نہیں ہے
جن کی آگو بڑی سی دولت تھی — ان کنے ایک تار کوئی نہیں ہے
بے ہنر بیشتر ہیں اب ممتاز — قابلوں کا شمار کوئی نہیں ہے
نوکری میں کریں ہیں فاؤ لوگ — اس خرابی کا پار کوئی نہیں ہے
یہاں تلک مفلسی نے گھر گھیرا — پگڑی ہے تو ازار کوئی نہیں ہے
اس غضب دکھ کے تئیں کہوں کس سے — مونس و غمگسار کوئی نہیں ہے
جو کہ آقائے وقت ہیں ان میں — دانشی اور بچار کوئی نہیں ہے
فضلِ حق کے سے آبرو رہ جائے — اس برابر وقار کوئی نہیں ہے

چاہے سو ہو، وہ نین دنیا میں
اپنا کچھ اختیار کوئی نہیں ہے

سنے ہی نہیں ہیں کسو طرح داستاں اپنی — الٰہی کس سے کہوں جا کے داستاں اپنی
منع ہی کرتے ہیں تو تھک گیا اے یارو — خموش رہتی نہیں ہے کہیں زباں اپنی

ملے نہ تجھ سے کبھو ہم تو، ہو کے ہم آغوش — یہ آرزو ہی رہی جی میں جاوداں اپنی
ذرا سی بات میں ہوتے ہو تم تو رد گرداں — اسی میں ہو چکی بس خیر اب نشاں اپنی
ہم عاشقی میں تری یار، بہت تنگ ہارے — کسو ہی طرح نہیں گلتی دال یاں اپنی
تماش دیکھ ترے دل کا، جو فرد شوں نے — کری ہے گرم بڑے ٹھاٹھ سے دوکاں اپنی
ہوا ہے عالم یکلخت ہو گئے بہلول — انھوں کے آگے کہو اب چلے کہاں اپنی
نہ ہے یہ شکل، زمانے کے ہاتھ یتی عجیب — سنبھالے پھرتے ہیں دستار ہر زماں اپنی

خدا ہی شرم رکھے نینؔ اب تو دنیا میں
پڑی ہے آگے ہر اک کو جہاں تہاں اپنی

بے شبہ ہے کہ عرش اُپر تو ہے — پر جدھر دیکھوں ہوں تدھر تو ہے
کون ہے ایسا کہ جس کی دوں تشبیہ — تیرے ثانی ہے تو اگر تو ہے
کسو پہ تیرا بھید نہیں کھلتا — تیری حکمت سے باخبر تو ہے
نازکی کے سبب چل ہی نہ سکے — زور ہی یار مو کمر تو ہے
تیری الفت کو کس طرح چھوڑوں — میری تو جان اور جگر تو ہے
بعضے طالب ترے یہ کہتے ہیں — شمس بھی تو ہے اور قمر تو ہے

نینؔ کہتا ہے کلؔ وہم، شئے میں (؟)
جانِ من، قصہ مختصر تو ہے

جہاں میں جو کوئی گلبدن، خوش نین ہے — بہت جی کو پیارا ہے اور من ہرن ہے
یہ سب خوبیاں تجھ میں ہیں گی پری رو — تو ہی من ہرن ہے، تو ہی چت لگن ہے
دیوانہ ہوں اس دم کہ جس دم کہیں ہیں — شکر لب بھی کیا خوب شیریں سخن ہے
(ذرا)[1] پیار سے جب سے تو ہنس کے بولے — تو بے شک اسے بادشاہی ختن ہے
تمہارا ترا جن نے ٹک دیکھ پایا — دلی ہے وہ بھر اور فلاطون زمن ہے

---

[1] ایک لفظ کیڑے نے کھالیا ہے۔ "ذرا" قیاسی تصحیح۔

ترے آونے کی خبر سن کے پیارے — کھڑا منتظر سارا نرگس چمن ہے
بھلا تجھ کو دنیا میں کوئی کیوں کر پاوے — نہ گھر کہیں تیرا، کہیں نہ وطن ہے
ہے سب میں ملا اور سب سے نرالا — عجب تیری قدرت عجب تیرا فن ہے
تو اب خواہ نزدیک یا دور ہی رہ — تری یاد جی میں مرے رات دن ہے
غنیمت ہے مجھ کو بزرگی یہ اتنی — میں طالب ہوں تیرا اور تو جان من ہے

کرم کی نظر سے ذرا دیکھ ایدھر
ترا نینؔ عاجز ہے رنگین سخن ہے

جو کوئی آبرو سے کہ جگ میں جیا ہے — ہر ایک شخص نے وصف اس کا کیا ہے
جو کوئی جیا آبرو کھو کے جگ میں — سراسر وہ احمق ہے اور بے حیا ہے
ارے یار دسنتے ہو کوئی تو بولو — یہ دل ہے کہ دشمن ہے، قاتل ہے کیا ہے
مجھے ان نے سب طرح سے پیس ڈالا — یہ دل نئیں ہے پہلو میں سنگ آیا ہے
میں حرمت کو چاہوں، یہ چاہے بتوں کو — انھو کھا خدائی سے شیوا لیا ہے
یہ ڈھونڈے یہ زلف اور چشم سے گوں — بھلا اب یہ سودا نہیں ہے تو کیا ہے
یہ نت اٹھ کے چاہِ زنخ ہی کو دوڑے — نہ سمجھے اُدھر جو گیا، سو گیا ہے
پری رُو کے پیچھے قلعہ کوٹ کھودے — یہ گو ہر کے حق میں گویا سیدھیا ہے
(کرم خوردہ) کسو پر الٰہی — کہاں کا یہ منہ زور گھوڑا دیا ہے
الجھتا ہے ہردم، نہ روکا رکے ہے — مجھے دل نے اب سخت عاجز کیا ہے
کہوں ہوں میں کچھ، یہ کرے اور ہی کچھ — نہ جانا پڑے کن نے جادو کیا ہے
کبھو گاوے، رووے، کبھو مسکراوے — دیوانہ ہے یارو یہ کچھ اولیا ہے

..؎. پہنچے تہاں اُڑ کے پہنچے
گلا داب نے کو یہ تو مو گیا ہے

؎ یہاں ایک لفظ کرم خوردہ ہے۔

نصیحت سے میری یہ سو کوس بھاگے — تلنگوں کے حق میں جیسے ہوتیا ہے
میں بیٹھوں زمیں پر، یہ بیٹھے سماں پر — کجا تخت شاہی، کجا بوریا ہے
کریں جا بجا لوگ پر کا کبوتر — ہر اک بات کا بچ رہا توتیا ہے
زمانے کا یہ حال اور دل کا یہ حال — کہو کس طرح رہتی شرم اور حیا ہے
بھنور بیچ غم کے میں ڈوبوں اور اچھلوں — یہ کہتا ہے مجھ سے کہ تو مرجیا ہے
میں سو سو دفعہ تیرا پھاڑا گریباں — بتا تو نے کس واسطے پھر سیا ہے
تو ہے موت کا ڈھیر، مت بول مجھ سے — امر ہوں، میں نے آبِ حیواں پیا ہے
میرے ثانی نہیں ہے کوئی اب جہاں میں — فلک کے کنگوروں کو میں نے چھیا ہے
فدا ہوں سدا عاشقی پر میں اس کی — وہ جو قیس صحرا میں ایک ہو گیا ہے
خدا کی طرف جن نے دل کو لگایا — ہوا افضل اس کے سے وہ انبیا ہے
مرے جی میں آوے گی سو ہی کروں گا — میں مختار ہوں میرا (کرم خوردہ) ہے
سنیں دل کے منہ سے، میں جب ایسی باتیں — خدا شاہد ہے میں نے رو رو دیا ہے
پھر آخر ہو لاچار میں ہار بیٹھا — یہ لڑنے کے تئیں میر خاں ٹٹو کیا ہے
کہوں کیا کیا یارو، میں دل کے تماشے — یہ تو سوانگ لانے کو بہروپیا ہے

نہ بک آگے اب نینؔ خاموش ہو رہ
یہ دل ہے ترا، یار لنگوٹیا ہے

آیا کبھو نہ بر میں مرے پیار کر کے تو — اس آرزو میں عمر ہی ساری بسر کری [۱]
ماریں ہیں پہلو عرش پہ اب تو بھی رقیب — ایسی ہی تو نے مہر انھوں کے اوپر کری
بے رحم میرے حق میں مقرر ہے تو صنم — اب تک کبھو نہ تو نے کرم کی نظر کری

تک دیکھ چشم خلق سے نینؔ اپنے کی طرف
تیرے ہی اعتماد پہ میں تو گزر کری

---

[۱] اس غزل کے ابتدائی اشعار دیوان میں موجود نہیں۔

رباعیاں

واجبی بات میں کچھ پھیر نہیں ہوتا ہے
مجھے پیری کا بھلا پیر کہیں ہوتا ہے
کہتے ہیں شیخ جی کے خلائے ہیں سب بھاری
اتنا گاڑی بھرا اندھیرا کہیں ہوتا ہے

یہ زلفین نہیں ہیں مکھڑے پر بلا ہے، جو تجھے سوجھے
بھنویں ترچھی بڑی قاتل ادا ہے، جو تجھے سوجھے
جو کچھ فرہاد پر گزرا سو سب عالم پہ روشن ہے
مقام عشق میں بے شک یہ دغا ہے، جو تجھے سوجھے

فردیات

کیا کارگر ہوگئی ہے دیکھو تو آہ کسی کی
ظالم کو تو لگتی ہی نہیں آہ کسی کی
کہو جا کے زلیخا سے نہ کر چاہ کسی کی
بس چھوڑ دے یوسف کو نہ لے آہ کسی کی

دیکھے ہیں تیری چشم میں جادو بھرے ہوئے
وحشی پھر رہے ہیں دشت میں آہو ڈرے ہوئے

تجھ سامنے ہو شمع تو حسرت سے پگھل جائے
اور گل کا تو کیا منہ کہ چمن سے نہ نکل جائے

متصل چشم کے یوں فکر اڑی رہتی ہے
جیوں لب آب سدا فوج پڑی رہتی ہے
چشم سے اشک کی وہ ندی چڑھی رہتی ہے
جس طرح مینہ کی ساون میں جھڑی رہتی ہے

شیرینی تجھ لباں کی نہ کہہ انتہا سکوں
مصری، مثال ہے گی پہ لیکن نہ لا سکوں

نہ دینا بسکہ سیکھا شوخ نے کوئی کہاں تک مانگے
میں اپنا مانگتا ہوں دل، وہ کہتا ہے کہ پھر مانگو

مزے سے عشق گر گزرے زندگی اتنی نزاکت سے ہے　　کدورت اس میں کچھ بھی ہو تو پھر پوری ملامت ہے

دل اور جان سے جو کوئی دیوانہ تیرا ہے　　کہیں ہیں لوگ کہ اس پر پری کا پھیرا ہے

جہاں میں جہاں تک کہ خوبصورتے ہیں　　مجرّد انہیں خواہ مخواہ گھورتے ہیں

مزے کا دیکھنا ہم کو تو یار تیرا ہے　　ہوا تو آنکھوں کے اوجھل تو پھر اندھیرا ہے

مخمس

ازبسکہ ستم گار ہو، بس تم کو بھی دیکھا　　عاشق کے دل آزار ہو، بس تم کو بھی دیکھا
ہر فن میں عیار ہو، بس تم کو بھی دیکھا　　ایذا کے روادار ہو، بس تم کو بھی دیکھا
کیا خوب وفادار ہو، بس تم کو بھی دیکھا

کھب گئی ہے زبس دل میں مرے، تیری نزاکت　　اس واسطے کھینچے ہے یہ دل اتنی ملامت
یا وہ سی محبت تھی اور یا ایسی قیامت　　اب زیادہ کہوں کیا، تمھیں حق رکھے سلامت
کوئی تم بھی عجب یار ہو بس تم کو بھی دیکھا

کہ تیرے سوا خوبی میں استاد کہاں ہے　　تجھ حسن کی زیبائی کا تعداد کہاں ہے
گلشن میں ترے قد سا وہ شمشاد کہاں ہے　　دنیا میں کوئی تجھ سا پریزاد کہاں ہے
ایسے ہی طرحدار ہو بس تم کو بھی دیکھا

رہتی ہے شب و روز مرے دل میں یہ حسرت　　غیروں سے یہ الفت رکھو اور ہم سے یہ نفرت
کیا جانیں تجھے کیوں کر خوش آتی ہے وہ صحبت　　افسوس ترے دل سے کہاں گئی وہ مروّت
کوئی سخت دغادار ہو بس تم کو بھی دیکھا

کہاں تک میں کروں آپ کے اوصاف کا شکوہ　　ہر بار اکڑ جاتے ہو غصہ سیتی بل کھا
نے آپ ہی سمجھو، نہ کہو مجھ سیتی، سمجھا　　اس طور تمہارے کی حقیقت کو کہوں کیا

ذرا ہی میں بیزار ہو بس تم کو بھی دیکھا

کیا کہیے میاں تم سے عبث، دل ہے دیوانہ   کہنے کو مرے تم نے کبھو بھی تو نہ مانا
ایک دم جو ملے ہم سے، کیا تم نے بہلانہ   اس وضع تمہاری کو میں اب خوب پہچانا
خندوں کے خریدار ہو بس تم کو بھی دیکھا

ہے گرم پنٹ اب تو ترے حسن کی دوکان   بہتیک تجھے دیکھ کے ہوتے ہیں گے قربان
شاباش میاں خوب نکالی ہے یہی شان   دانا نہ کہیں اس کو، کہے تم کو جو نادان
ہر بات میں ہوشیار ہو بس تم کو بھی دیکھا

تب تم کو کہے تھے کہ میں ہوں صادق دلدار   اور مجھ سا نہ کوئی دوسرا دنیا میں وفادار
اک دم جو جدا ہو، نہ تو ہو ان میں گنہ گار   اس بات کو یکبارگی اب بھول گئے یار
عیار ہو، مکار ہو، بس تم کو بھی دیکھا

مثنوی

الٰہی میرے تئیں ہدایت تو دے   ذرا اپنی مجھ کو حمایت تو دے
تری یاد مجھ کو تو ہر آن ہے   تیرے نام پر جان قربان ہے
اگر تیرا ثانی میں ڈھونڈوں کہیں   نہیں ہے، نہیں ہے، نہیں ہے نہیں
زباں پر کیا ورد میں نے یہی   توئی ہے، توئی ہے، توئی ہے، توئی
ہر اک شئے یہی بولتی ہے صدا   خدا ہے، خدا ہے، خدا ہے، خدا
بچ بارے بہت اپنا سا کر اپادر(؟)   کسی نے نہ پایا تیرا بھید بھاد
تیرے بھید سے ہے تجھی کو خبر   جہاں میں نہیں ہے کسی کو خبر
ترا کُن کا کہنا کرامات تھا   لیکن بے طرح کا طلسمات تھا
تیرے کُن کے کہتے ہوا یہ وہ سب   پڑے تھے عدم میں نہ تھا کچھ بھی تب
عجائب ہیں یہ چار صفتیں تری   کہ جس سے ہے خرم طبیعت مری
یعنی ہے تو بے چون اور بے چگوں   کہیں ہیں دگر بے شبہ بے نموں

نہ دیکھا کسی نے نہ پایا کہیں
پڑی عقل چکرت میں آکر یہیں

ہے سب سے جدا اور سب میں ملا
اسی بات سے غنچۂ دل کھلا

ہزاروں گدا کر دیے بادشاہ
ترے حکم سے روشن ہیں مہر و ماہ

نظر آگیا جس کو ٹک تیرا نور
اُسی دم ہوا اس کا سب درد دور

لیکن ایک تیری عجب شکل ہے
کسی کا نہ تیرے کنے دخل ہے

جو چاہوں کہ تیرا کروں کچھ بیاں
تو منہ میں ہوئی جائے ساکت زباں

تو نے دل کے تئیں جس کے روشن کیا
اسے انبیاء، اولیاء کر دیا

تصدق کیا تجھ پہ سب جان و تن
قدم بوس ہونے لگے مرد و زن

ترا عشق نخوت سے جن نے کیا
گویا اُن نے سچ مچ دھتورا پیا

لگا باتیں کرنے وہ اسمان سے
ہوا بے خبر جسم اور جان سے

پھرے بونکتا سگ تمن، اودھ ٹاٹ
جیسے بے دہا شہ بکیں ڈوم، بھاٹ

پھر آخر کے تئیں اس کو سودا ہوا
گلی در گلی خوب رسوا ہوا

اسی طرح سب عمر بھٹکا کیا
ہر ایک سنگ پر سر کو پٹکا کیا

تری آشنائی میں یہ حال ہے
کہوں کیا بڑا جی کو جنجال ہے

تری اب عبادت ہی کرنا ہے خوب
غضب سے ترے سخت ڈرنا ہے خوب

لکھوں ہوں میں آگے زمانے کا حال
سنو اہلِ فرہنگ اور اہلِ قال

نپٹ کر کے اب وقت باریک ہے
زمین آسماں سارا تاریک ہے

وہ تیرہ صدی جو سنیں تھے سبھی
یہی ہے، یہی ہے، یہی ہے، یہی

دکھائیں زمانے کے نیرنگیاں
کریں رنگ میں سب کی بے رنگیاں

لگے جا بجا چوٹ پر اور چوٹ
مقدمہ ہے ہر ایک کا لوٹ پوٹ

اک عالم کے تئیں کر دیا خاک سیاہ
ہزاروں سپاہی پھرے ہیں تباہ

ٹھکانہ کسو بھی نہ سرکار میں
نہ دربار میں کچھ، نہ گھر بار میں

مچی ہے نہایت ہی اب بھوک بھوک
چھو ہارا ہوئی خلق سب سوکھ سوکھ

کوئی چھٹہ بٹنے کی باتیں کرے
توا نبوہ پھر اس طرف چل پڑے

گریں ایک پر چھ چھ وہاں اس طرح
شہد پر مگس گرتے ہیں جس طرح

کہیں ہیں اسے رجعت القہقری
گیا موجِ زن آب اور پھر، پھرا

تھے جتنے زمانے میں بانکے بلی
خنک ہو گئے جیوں برف کی ڈلی

اسافل خوشی ہے تو کم بیش ہے
نجیب ہے سو وہ سخت دلریش ہے

گیا بھول یک لخت جوش اور خروش
کیا اس طرف سے میں نے دل خموش

کہوں اس حکایت میں ایک اور طرز
سنو اہل علم و عمل، اہل رمز

عجب وقت ہے اور عجب ڈول ہے
کہیں جھگڑا ہے اور کہیں ڈھول ہے

کسو کے تئیں کوئی پوچھے نہیں
برا اور بھلا کچھ بھی سوجھے نہیں

حمق پر ہوئی ساری ترکی تمام
ندارد ہوئی عین، قاف اور لام

ترک دیکھ ناخواندوں کا اس زماں
ہوا وِرد ہم کو، الٰہی اماں

کریں بے شعوری کے سب کام وے
دھریں ہیں خدائی کے تئیں نام وے

تکیں پگڑی ایک ایک کی، لے کے ناؤں
جنھوں کی طبیعت کا سر ہے نہ پاؤں

ڈرے خلق یوں ان کی تدبیر سے
کہ جس طرح کلوا ڈرے تیر سے

غرض سب طرح ان کی نیت بری
ہر ایک بات جن کی شہد کی چھری

بھانویں پتلے کر کے دلداریاں(؟)
کریں پیچھے سے خوں خواریاں

پھکے ہے کوئی دن میں جلدی سے ور
ہوا ایک ہی بھاو پر کھل، کپور

اور آقا ہمارے تو اب واہ واہ
ہنسے ہے جنھیں خلق سب قاہ قاہ

قبول ہے یہ قسمت کا اپنی قصور
پہ گو پندوں سے یہاں کے حق رکھے دور

جہاں فاقہ ہے اور برا حال ہے
تہاں کہتے ہیں خواہ مخواہ مال ہے

نہ وہاں مال، نہ چرخا، نہ خاک دھول
یہ گپّا بنے پھرتے ہیں بھول پھول

۱؎ پہل ؟

جو کچھ چاہتے ہیں سو بکتے پھریں
گلی کوچے میں سب کو تکتے پھریں

کٹیں اجلے کپڑوں کو دیکھ اس طرح
چھری سے کٹے خربزہ جس طرح

مرد یا جیو کوئی بیزار سے
انھیں کام ہے مردم آزار سے

پھریں پیچھے ہر ایک کی گھات میں
کریں خالی وہ، گھر ذرا بات میں

تھے آگے ہی سے ایک تو لاعلاج
ہوئے تس پہ اب کوڑھ میں اور کھاج

کہیں کو چلو راہ چلتی نہیں
کسو کی یہاں دال گلتی نہیں

فروئی کا اب کیا کہوں میں رواج
کوئی کل غارت ہوا، کوئی آج

(کرم خوردہ) تو بستی میں کوئی نہیں بچا
بچا کر کے چھوڑا ہر ایک کو نچا

فروئی جو پوچھو تو ہے یہ کہاں
مچا چیل کا سا چھپٹا یہاں

نکل گھر سے جو کوئی کہیں کو چلا
وہ نہیں لوگوں نے اس کا پکڑا گلا

اسے چوڑے میں پھر کھڑا کر دیا
جو کچھ پایا سو سب ہڑپ کر لیا

روہیلہ ہے ایک میر خاں اس کا نام
اسے کرتی ہے خلق اٹھ اٹھ سلام

اگر کامداری سے ظاہر ہے وہ
لیکن مال کھانے کو ماہر ہے وہ

بڑا دھاک اس کا بڑا اس کا ٹھوک
سب آمد شہر کی وہ لے غم کو ٹھوک

نہ چھوٹے بھلا اور نہ چھوڑے برا
مُرنڈا کرے وہ پکڑ کر چھُرا

یہاں تک کشش کی کہ پھر تھک گیا
رعیت کے تئیں لوٹ کر چھک گیا

پڑا صبر رعیت کا اس پر شتاب
ہوا آپ ہی اس کا سب زہرہ آب

دیکھا اس نے اٹھنے ہی میں ہے مزا
دلا کر یہاں پہنچتی ہے سزا

نہ مانا پھر ان نے کسی کا کہا
جمعیت کو اپنی لے جاتا رہا

سنو کار پردازوں کا اب بیاں
جنھیں تو کتا ہے گا سارا جہاں

مچایا ہے کھنڈی کا دور اس قدر
کہ بھاگن پڑی شہر میں گھر بگھر

لگے ہے یہ تو سال میں ایک بار
نہ کہ ہر مہینے میں پھیرا چھ چھ بار

یہ کھنڈی نہیں ہے گی بھنڈی ہے یہ
ستم کاروں کی گرم منڈی ہے یہ

گریں بنیوں پہ رات دن لوٹ لوٹ ‏ مچائی ہے بے طرح کی لوٹ لوٹ
کسو کی نہ مانیں کوئی داب، ڈاٹ ‏ الٰہی یہ کچھ کیا بگڑا ہے ماٹ
کسو کے تئیں کوئی کھینچے پھرے ‏ کسو کے تئیں کوئی اینچے پھرے
کسو کے تئیں کوئی ڈالے پچھاڑ ‏ کسو کے کوئی توڑتا ہے کواڑ
کسو کو کوئی روٹی کھانے نہ دے ‏ کسو کو کوئی ہاٹ جانے نہ دے
کسو کا گویا کوئی والی نہیں ‏ جو دم ہے سو آفت سے خالی نہیں
کسو کی ذرا کوئی سنے نہیں پکار ‏ کریں ہیں رعیت کے تئیں مار مار
محلّے محلّے میں ہلّا مچا ‏ یہ ہلّا نہیں بل دھڑلّا مچا
کہوں کیا پڑی ہلّڑی مہربان ‏ ہوئے کان سن سن کے اب پکدان
گئے بھاگ لے لے کے سب اپنی جان ‏ لگے چھوڑ کر قفل، گھر اور دوکان
ہوا آخر شس سارا بازار بند ‏ کیا یہ تردّد تو لایق پسند
لگے کہنے سب مل کے واہ واہ رے میں ‏ لیا پیسہ بنیوں سے کیا خوب، ایں!
کئی ماہ تک یہ بکھیڑا رہا ‏ رعیت نے یارو بڑا دکھ سہا
ہزاروں روپوں کا پڑا آ کے بیچ ‏ ہوئے مفت میں بنیے سب نیچ ریچ
گئے بیچنا بھول دے مونگ ماش ‏ ہوئے گھر کے گھر صاف اور پاش پاش
اب ان باتوں کا کوئی کیا دے جواب ‏ مجھے آگے کہنے کی طاقت نہ تاب
(کنا)، تھا ملک آگو حیدر علی ‏ وہ مرزا، وہ منصف، عصر کا ولی
یہاں تک ہے وہ اپنے باطن کا صاف ‏ ہزاروں خطا لوگوں کی کردے معاف
ہے سب طرح سے اس کی نیت بخیر ‏ ہمیشہ خدا کی اس اوپر ہے مہر
رکھے سب کو خوش اور خوش رہوے آپ ‏ بھلائی کی اس کے تو پھیلی ہے چھاپ
ملک ہے جہاں ظلم معدوم ہے ‏ کرے زیادتی کوئی، معلوم ہے
کسی کا برا کر کے جانے نہیں ‏ چپڑ خندوں کی بات مانے نہیں
چکوروں کو وہ کان لگنے نہ دے ‏ وہ تا حشر فتنے کو جگنے نہ دے

عمر اُس کے ہیں، چوری کا نام کیا — دغا باز، نٹ کھٹ کا دھاں کام کیا
خدا رکھے خوش ایسے کوتوال کو — پرکھتا رہے سب کے احوال کو
غذا کے لیے وہ پھرے کو بکو — تردد کا ہے لیک دادا، گرو
خفا ہو گیا تھا وہ بھوپال سے — کئی طرح کے یاں کے احوال سے
سنا ان نے جس وقت یہ ماجرا — نہایت وہ دل بیچ اپنے کڑھا
بارے آن پہنچا وہ چل کر شتاب — ہوا شہر کو دیکھ جل بھن کباب
بہت اہلکاروں کو دی لعن طعن — کیے صاف گویندوں کے ناک کان
وہ پہلے سبھوں کے تو گھر گھر پھرا — ہر ایک سے بغل گیر ہو کر ملا
بُلا پھر تو سب کو، دیے ان نے پان — کہا کھولو دوکان تم میری جان
اگر تم کو دیکھے کوئی بد نظر — کیا بو جو اس کو شہر کے بدر
ذرا چھیڑے تم کو کوئی بات میں — تو دے دوں ابھی دم اسے کاٹھ میں
یہ کہہ کر کے جلدی بٹھایا امن — کیا شہر کو پھر گلوں کا چمن
لگیں جا بجا کو بلیں بولنے — پھلیل اور عطر پھر لگیں تولنے
ہوئی گل فروشوں کی وہ ہی بہار — لگے بکنے انگور، سیب اور انار
جھمکڑا وہ ہی پھر چھنکنے لگا — وہ ہی مشرو میٹھا پھڑکنے لگا
پری زاد گھر سے نکلنے لگے — بہت سنگ دل پھر پگھلنے لگے
عجائب کیے ناز نیں خوش خرام — کریں کوئی نظروں میں قصہ تمام
کیا بنیوں کے سینے سے دور، داغ — ہوا دل ہر ایک کا نپٹ باغ باغ
ملک کے تئیں کو کہے آفریں — جزاک اللہ صد آفریں، آفریں
کرے اس کی تعریف خلقت نہ کیوں — کیا ان نے بازار کو جوں کا تیوں
کیا مختصر میاں نے یہ رنگ رس — کہ مغز حقیقت ہمیں است و بس
سنو یارو اب تم بزرگوں کے قول — کہے ہیں سخن میزاں میں تول تول
جو کوئی کر ہیں گے نپٹ دل حزیں — وہ اِلّلذین ہیں، نہ اُلّلذین

جو کوئی مفت لیتے پھریں ٹکڑیں — پڑیں غیب سے ان کے سر پھکڑیں
جو کوئی زباں کا کر گندہ ہے وہ — بھلا آدمی نہیں ہے خندہ ہے وہ
جو کوئی کسو کا کرے ہے بُرا — نہ ہووے کبھو ہرگز اس کا بھلا
جو کوئی فضیلت سے بھاگیں ہیں دور — مقرر انھیں جانیے دل کے کور
جسے شعر کا شوق دن رات ہے — وہ تو قابل ہے اس کی کیا بات ہے
جو کوئی عصر میں ہے صاحب سخن — اسے کہیے بے شک فلاطوں زمن
جو کوئی کہ مفلس پئیں ہیں شراب — انھوں کی تو مٹی ہے گھٹ گھٹ خراب
جنھوں کی کہ نیت میں ہے کچھ خلل — ہے آفت انھوں پر محل بے محل
جو کوئی سخاوت کے ہیں پائے مرد — انھوں نے کیا ہمت حاتم کو گرد
لیکن یارو ہمت خدا داد ہے — سدا اہل ہمت کا دل شاد ہے
نہ ہمت برابر کوئی چیز ہے — نہیں جس میں ہمت وہ تو حیز ہے
بڑھی جس کی ہمت بڑھا اس کا ٹھاٹ — نہ مانو تو جا دیکھو گنگا کا پاٹ
جو کوئی کہ سب طرح ہیں بے تمیز — انھوں کے تئیں کو ہے دولت عزیز
کیا ان کی دولت نے جس دم فرار — لگے خوار پھرنے شتر بے مہار
خوشامد کریں جا بجا جوڑ ہاتھ — تو بھی ان کی کوئی نہیں پوچھے بات
جو کوئی کہ عاشق ہیں تیرے اُپر — وے مارے ہیں دولت کو پاپوش پر
بڑی دولت ہے گی ترے نام کی — بڑے نام کی اور بڑے کام کی
فدا ہوں میں سو سو ترے نام پر — کمر باندھی ہے کس کے اس کام پر
ہزار آفتوں سے بچایا مجھے — نئے سر سے کئی دم جلایا مجھے
ترا شکر ہر دم کیا چاہیے — یہی چاہیے اور کیا چاہیے
الٰہی ترا فضل درکار ہے — یہ بندہ تو سب طرح لاچار ہے
شرابِ طہورا پلا دے مجھے — جمال اپنا جلدی دکھا دے مجھے
یہی نینؔ کو آرزو ہے مدام — تری یاد میں خوش رہے صبح و شام

مسدس شہر آشوب

جس کسی کا گھرانہ عالی ہے　　اس کا منہ چکنا، پیٹ خالی ہے
زور ہی تحفہ طرح نکالی ہے　　دیں بنارس کہیں کہ حالی ہے (؟)
کیا مصیبت خدا نے ڈالی
ہے
جس پہ برطرفی اور بحالی
ہے

روز دارو غہ پاس جاتے ہیں　　شور و ہو ہا بہت مچاتے ہیں
صبح سے شام تک بکاتے ہیں　　وے مواشی انھیں بتاتے ہیں
کیا مصیبت خدا نے ڈالی
ہے
جس پہ برطرفی اور بحالی
ہے

بعضے جب آ کے دھوم ڈالیں ہیں　　آنہ دو آنہ، دے کے ٹالیں ہیں
بعضوں سے جتنیں نکالیں ہیں　　بعضوں کو صاف ٹالیں بالیں ہیں
کیا مصیبت خدا نے ڈالی
ہے
جس پہ برطرفی اور بحالی
ہے

لکھ کے دیتے ہیں دو روپے کی برات　　تس کے دو آنے پھر لگیں ہیں ہاتھ
اس کو بھی کئی لگا رہے ہیں گھات　　اس خرابے کی کیا کہوں میں بات
کیا مصیبت خدا نے ڈالی
ہے
جس پہ برطرفی اور بحالی
ہے

کیا ہوا بگڑی ہے زمانے کی　　کچھ بھی صورت نہیں ہے پلنے کی
آشنا کی نہ کچھ یگانے کی　　وائے برجان ہے بیگانے کی
کیا مصیبت خدا نے ڈالی
ہے
جس پہ برطرفی اور بحالی
ہے

کوئی روپیوں کی تلاش میں ہیں گے　　کوئی فکرِ معاش میں ہیں گے
کوئی سینہ خراشں میں ہیں گے　　اس طرح کے قماش میں ہیں گے

کیا مصیبت خدا نے ڈالی ہے
جس پہ برطرفی اور بحالی ہے

مارے بھوکوں کے اس قدر ہیں چُور　　کسو کے منہ پہ نہیں ذرا بھی نور
بے نصیبی میں کچھ نہیں ہے قصور　　یہ حقیقت کہوں میں کس کے حضور

کیا مصیبت خدا نے ڈالی ہے
جس پہ برطرفی اور بحالی ہے

بے طرح کے یہ لوگ ہیں بے پیر　　دینے کی کچھ بھی نہیں کرتے تدبیر
بھوک از بس ہوئی ہے عالمگیر　　ساری دنیا کے تئیں کیا ہے فقیر

کیا مصیبت خدا نے ڈالی ہے
جس پہ برطرفی اور بحالی ہے

ہے عجب کچھ یہ جاٹ کی سرکار　　خلق ناخوش، سپاہ سب بیزار
دیر طلبی سے سخت ہو لاچار　　اکثر اس بیت کو پڑھیں ہیں پکار

کیا مصیبت خدا نے ڈالی ہے
جس پہ برطرفی اور بحالی ہے

پاجی عالم ہے بادشاہی میں　　مرد آدم پھریں تباہی میں
کیا کہوں میں جنابِ الٰہی میں　　اب کے پھر گھٹلی ہیں چھماہی میں

کیا مصیبت خدا نے ڈالی ہے
جس پہ برطرفی اور بحالی ہے

حال اپنا سنا کے جیتا کہا　　سال گزرے پہ تو بھی کچھ نہ ملا
اٹھ گئے آخرش کو ہو کے خفا　　بے جا نہیں ہے کہا ہے بہت بجا

کیا مصیبت خدا نے ڈالی ہے
جس پہ برطرفی اور بحالی ہے

کیا کہوں میں انھوں کی نادانی — نوکری کہیں ذرا نہ پہچانی
بے وقوفوں پہ ہے مہربانی — بہت سا پیار اور قدر دانی

کیا مصیبت خدا نے ڈالی ہے
جس پہ برطرفی اور بحالی ہے

اس سوا اور یہ تماشا ہے — کیا کھلا الوؤں کا ڈربہ ہے
حق شناسی کا حرف عنقا ہے — بسکہ عالم خراب و رسوا ہے

کیا مصیبت خدا نے ڈالی ہے
جس پہ برطرفی اور بحالی ہے

یہاں تلک ہے جہاں کی بات ابتر — پیسے دینے پہ نہیں کسو کی نظر
جھوٹ ہی جھوٹ پہ بندھی ہے کمر — شاہ کے آنے کی ہے تس پہ خبر

کیا مصیبت خدا نے ڈالی ہے
جس پہ برطرفی اور بحالی ہے

دیکھ کر جھوٹ اور دغا بازی — اٹھ گئے جو کہ مرد تھے غازی
چاپلوسی سے کر سخن سازی — اب تو نامرد لے گئے بازی

کیا مصیبت خدا نے ڈالی ہے
جس پہ برطرفی اور بحالی ہے

نہ کوئی منصف ہے نہ کوئی عادل — حظ نفسی میں ہیں سبھی کامل
بسکہ حیرت میں ہیں گے سب عاقل — کہتے ہیں روز ہاتھوں کو مل مل

کیا مصیبت خدا نے ڈالی ہے
جس پہ برطرفی اور بحالی ہے

جا بجا بھوک اور پریشاں ہیں — کردۂ خویش سے پشیماں ہیں

دیدہ گریاں و سینہ بریاں ہیں   دیکھ یہ حال ہم بھی حیران ہیں
کیا مصیبت خدا نے ڈالی ہے
جس پہ برطرفی اور بحالی ہے

کیا یہ امرار و بخشی و عظام   روز و شب کرتے ہیں اگے اپنا کام
دیکھ کر کے یہ ان کی شکل مدام   اک ہنسی آتی ہے گی جن پہ تمام
کیا مصیبت خدا نے ڈالی ہے
جس پہ برطرفی اور بحالی ہے

اس طرح کا مچا ہے دھندھو کال   سب کے چہرے پہ ہے نمودِ ملال
خواجہ حافظ ہیں دیکھتے ہیں فال   تیسرے فاقے، ہے حرام، حلال!
کیا مصیبت خدا نے ڈالی ہے
جس پہ برطرفی اور بحالی ہے

ہو گئے نادہند اہل ہمم   اب کسی کا کسی کو درد نہ غم
غور کیجے تو ہے صریح ستم   بات اس مصرع پہ ہوئی ہے ختم
کیا مصیبت خدا نے ڈالی ہے
جس پہ برطرفی اور بحالی ہے

کیا کروں یارو جاٹ کا میں بیان   اونچی دوکان اور سڑا پکوان
ہے کہاوت یہ آخرش کو ندان   اڑ گئی چٹیا رہ گئے دو کان
کیا مصیبت خدا نے ڈالی ہے
جس پہ برطرفی اور بحالی ہے

دیکھو یارو یہ کیا عجائب ہے   طرح آقا کے کیا غرائب ہے
جو کہ بھڑوا ہے سو مصاحب ہے   مسخرا ہے سو پیارا نائب ہے
کیا مصیبت خدا نے ڈالی ہے
جس پہ برطرفی اور بحالی ہے

کوئی کچھ لینے کو جو یہاں آوے　　پیسے دے، مار کھا، چلا آوے
لاکھ کوئی اگرچہ چِلّاوے　　آقا سُن کر کہیں نہ شرماوے

کیا مصیبت خدا نے ڈالی ہے
جس پہ برطرفی اور بحالی ہے

بے مزا اب تو بات جھوٹی میں　　کچھ نزاکت نہیں ہے موٹی میں
دیکھتا ہوں یہ طرز کھوٹی میں　　جی رہے ہیں ہمیشہ، روٹی میں

کیا مصیبت خدا نے ڈالی ہے
جس پہ برطرفی اور بحالی ہے

اب تو رتبہ ہے زندگی کے تئیں　　اور مراتب ہے خندگی کے تئیں
کوئی نئیں پوچھے بندگی کے تئیں　　پھٹے منہ ایسی زندگی کے تئیں

کیا مصیبت خدا نے ڈالی ہے
جس پہ برطرفی اور بحالی ہے

دھول ہے اب کے اس زمانے میں　　خاک اڑتی ہے کارخانے میں
کچھ برکت نہیں کمانے میں　　گویا، بجھی بجھی ہے خانے خانے میں

کیا مصیبت خدا نے ڈالی ہے
جس پہ برطرفی اور بحالی ہے

کہیں ذرا شرم دل پہ نئیں لاتے　　روز پھرتے ہیں خایہ سہلاتے
تس پہ بھی حق اپنا نہیں پاتے　　اس حماقت سے باز نہیں آتے

کیا مصیبت خدا نے ڈالی ہے
جس پہ برطرفی اور بحالی ہے

بہتوں کی اب یہ آ رہی گزر　　ٹھیکرا لے کے پھرتے ہیں گھر گھر
بعضے کہتے ہیں دیکھ انھیں اکثر　　لعنت ہے ایسی نوکری اوپر

کیا مصیبت خدا نے ڈالی ہے
جس پہ برطرفی اور بحالی ہے

کیا کہوں بعضوں کی بس شامت کو — کچھ میسر نہیں حجامت کو
دیکھتے ہیں صریح قیامت کو — تس پہ بھی مرتے ہیں قدامت کو

کیا مصیبت خدا نے ڈالی ہے
جس پہ برطرفی اور بحالی ہے

بعضوں کی گانٹھ ہیں، نہ کچھ گھر میں — وے اکڑتے پھریں نہ کیں شہر میں
دیکھ عالم انھیں بہت بھر میں — مجھ کو کچھ غرض تئیں، کہوں پر میں

کیا مصیبت خدا نے ڈالی ہے
جس پہ برطرفی اور بحالی ہے

جو کہ صاحب طبع ہیں اہلِ ذکا — وے تو مرنے کی مانگتے ہیں دعا
ہاتھ میں تسبیحے کے دل کو لگا — یہ وظیفہ پڑھیں ہیں سب کو سُنا

کیا مصیبت خدا نے ڈالی ہے
جس پہ برطرفی اور بحالی ہے

ہو رہے ہیں فیضیحے گھن گھور — اور خرابی بھی ہے چاروں اُور
جس کو دیکھو سو زندہ ہے در گور — رات کو تس پہ آوتے ہیں چور

کیا مصیبت خدا نے ڈالی ہے
جس پہ برطرفی اور بحالی ہے

غرض ہے اب جہاں میں آیا آپ — کوئی نہ بیٹا کسو کا، کوئی نہ باپ
اپنا مطلب کریں ہیں سب چپ چاپ — پھر اسی مصرع پہ لگی ہے تھاپ

کیا مصیبت خدا نے ڈالی ہے
جس پہ برطرفی اور بحالی ہے

ساری خلقت کو دیکھ کر غمناک — بسکہ حیرت کا ہوئے سینہ چاک

آنکھیں سب کی ہیں پر نہیں ہے ناک　　اس سوا اور کیا کہوں ہیں خاک

کیا مصیبت خدا نے ڈالی ہے
جس پہ بر طرفی اور بحالی ہے

شہر آشوب بس کیا چہیے　　آگو خاموش ہی رہا چہیے
گزرے جو کچھ، سو سب سہا چہیے　　کوئی پوچھے تو یہ کہا چہیے

کیا مصیبت خدا نے ڈالی ہے
جس پہ بر طرفی اور بحالی ہے

مخمس شہر آشوب

جگ میں کوئی کسو کا یار نہیں　　یار بھی ہیں تو ان میں پیار نہیں
پیار وہ جس کا اعتبار نہیں　　اعتبار ہے سو برقرار نہیں
کونسا دل ہے جو کہ زار نہیں

سوچ ہی میں کٹے ہے ساری رات　　جی نہ چاہے وہ کیسے منہ سے بات
مارے ایسی زیست اوپر لات　　اس زمانے کے ہاتھ سے ہیہات
عیش کا کچھ بھی سروکار نہیں

کیا کہوں میں تباہی دنیا کی　　بھوک کی، دکھ کی، واے ویلا کی
اور مصیبت کے صور برپا کی　　یہاں تلک مفلسی نے اب جا کی
پگڑی سر پر ہے تو ازار نہیں

اس سوا اور بھی یہ ندرت ہے　　دانا شخصوں سے سب کو نفرت ہے
زور ہی یہ خدا کی قدرت ہے　　نہ کہیں عیش ہے نہ عشرت ہے
جز خزاں کے کہیں بہار نہیں

فاضل آگے ہی کہہ گئے ہیں پکار   بعد اقبال کے ہے پھر ادبار
زندگی کا مزا ہے دن دو چار   اس کو کس واسطے کروں اظہار
یہ سخن کس پہ آشکار نہیں

کوئی نہ پوچھے اگر مرے کوئی   درد میں عمر سب بھرے کوئی
سر کو کاٹ ہاتھ پر دھرے کوئی   لاکھ حکمت اگر کرے کوئی
تو بھی مطلب کا رو بکار نہیں

یاں تو جو کچھ کہ طرح ہے سو یہ ہے   مقصد ہونے کو میں کہا سو وہ ہے
جی میں آوے ہر سو جی میں رہے   چاہے کہنے کو بھی تو کس سے کہے
ایسا کوئی یار غمگسار نہیں

تیل بن، گھر دیا جلے کیوں کر   آنچ بن چیز کوئی گلے کیوں کر
پیسے بن کام بھی چلے کیوں کر   مفت چاہو سو کچھ ملے کیوں کر
باوا جی کی تو نانکار نہیں

ایک نے جا نجومی سے پوچھا   کچھ ترقی کب ہوگی یہ بتلا
تب وہ بولا کہ ہے نراد ہوکا   کون جانے کہ کل کیا ہوگا
آج سے اس میں پھیر پھار نہیں

جو کہ بالفعل ہیں گے اب سردار   وہ تو غفلت کی مد میں ہیں سرشار
ساری بستی انھوں سے ہے بیزار   وقت بنا عذاب انتشار
دینے کا کچھ بھی کاروبار نہیں

اُتی ہیں سو مشیر مصائب ہیں   فیلیاں ہیں سو عمدہ نائب ہیں
مسخرے ہیں سو وہ مصاحب ہیں   اہلِ دانش انھوں سے تائب ہیں
اس حماقت کا وار پار نہیں

سیر کو جب کہیں وہ جاتے ہیں   لال، پیلے کی سیج دکھلاتے ہیں
طرّہ رکھ کر کے سر ہلاتے ہیں   چلتے میں بھاو سا بتاتے ہیں
اس سوا ان کو اور کار نہیں

دیکھ کر یہ طرح، ہوا جی دنگ　　آقا ہو کے بجاوتے مردنگ
خنجری لے کے گاوتے سارنگ　　اور غضب یہ کہ ایسے ہیں دل تنگ
جن کے انکل پنے کا پار نہیں

صحبت ان کی عجب دھتیا ہے　　کوئی پتنگا کوئی تتیا ہے
ہے گویا کوئی، پچیا ہے　　تانا رے رے ہے، تانا تھیا ہے
مرد آدم کو ان میں بار نہیں

شکل ایسی کہ جیوں ثمر شہتوت　　بولے ایسے کہ جیسے بولے بھوت
کیوں نہ خلقت کہے انھوں کو کپوت　　لونڈیوں سے کتا کے بیچیں سوت
کہیں ذرا دل میں جن کے عار نہیں

مرد ایسے کہ چوہے سیتی ڈریں　　جنگ کا نام سن کے موت پھریں
چلو بھر پانی میں نہ ڈوب مریں　　یار سب مل کے ان کا ٹھٹھا کریں
تو بھی ذرا وہ شرمسار نہیں

ہیجڑوں کی سی جن کی چولی ہے　　جو ملے اس سے پھر ٹھٹھولی ہے
بارہ ماسے جنھوں کی ہولی ہے　　روز شب جن کا درس گولی ہے
قابلیت کا کچھ شعار نہیں

نوکر حق ملنگے کو جب آدیں　　ایک روپیہ انھیں نہ دلوادیں
وقت پر دے بھی خایہ بتلادیں　　ایسے برتے پہ آقا کہلادیں
بے شعوری کا کچھ شمار نہیں

دوسرے اور یہ بڑا جنجال　　ایک عالم پھرے ہے بیت المال
جھوٹ، چغلی، دغا کا مالا مال　　کارکن ہے سو وہ بھی خر، دجال
رحم کا دل میں جس کے بار نہیں

چوری اوپر ہے عاملوں کی نگاہ　　(کذا)، رشوتی ہے مارِ سیاہ
بخشی کہ جن پہ ہے سپاہ کی آہ　　دیوان سیتی پناہ دے اللہ
معتبر کوئی اہلکار نہیں

شخصیت ہی نہیں کہوں کس میں — ہے عناد اور نفاق آپس میں
جائے حجّت کے کچھ نہیں اس میں — کون سا گھر ہے یہ کہو جس میں
خانہ جنگی وکارزار نہیں

خوب ہی میں نے غور کر دیکھا — یہاں بزرگی کو سب نے مل چیکا
چاہیں جس کو کریں ہیں چومینا — نہ حساب ہے نہ جس کا کچھ لیکھا
ان کے گرنے کو کوئی عنار نہیں

ایسا اندھیر بھی سنا ہے کہیں — جس کو دیکھو سو ہے وہ قابو چیں
غیر کے کام میں نپٹ، بد بیں — کیوں نہ رسوا کروں میں ان کے تئیں
ان کو کچھ اور روزگار نہیں

یاالٰہی زیادہ اب نہ جلاؤ — ہونا ہو کل سو آج ہی ہو جاؤ
چار سُو کا ہے بے طرح کچھ بجاؤ — خندوں کو راگ، ناچ، قلیہ، پلاؤ
مستحقوں کو مُو زہار نہیں

کام کے لوگوں کو تو موت آئی — اب نکمّوں نے دھوم پھیلائی
راست گفتہ کسے زدا نائی — سگ نشیند بجائے گیائی
اس برابر تباہ کار نہیں

ناک، کان، آنکھیں، خوردن و آشام — اور یہاں سب ہے اے ذوی الاکرام
پر ندارد ہے عین، قاف اور لام — ڈوبے ہے دیکھیو صبح یا شام
اس میں کچھ دیر زینہار نہیں

جو کہ آگو بڑے تھے دولت مند — نجبا، اشراف کو رکھے تھے پسند
ان کی حالت کہوں میں اب تا چند — اس قدر ہوئی انھوں کی آمد بند
پالکی کو جنھیں کہار نہیں

جو خوشی سے یہ دن کو بھرتے تھے — نیک نیت پہ دل کو دھرتے تھے
اور بدی سے بہت سا ڈرتے تھے — سب طرح کا وہ حظ کرتے تھے
ان میں اب کوئی مالدار نہیں

جن کا خوبی میں نام تھا مشہور   اور زری، باب سے تھا گھر معمور
جانتے ہی نہ تھے وہ حرف غرور   کام آتے تھے سب کے وقت ضرور
ان کے اب تو ایک تار نہیں

لشکری سارے، ہاتھ دھو ہی چکے   جو طلب تھی اسے ڈبو ہی چکے
بڑے کے جی کو خوب رو ہی چکے   یہاں برائی کا بیج بو ہی چکے
کچھ سمجھ کا جنھیں بچار نہیں

دل ہوا ہے کباب، اب جل کر   جی میں ہے اس طرف سیتی ٹل کر
کسو کے ساتھ ہر طرح مل کر   اپنا دن کاٹیے کہیں چل کر
ایسے کوئی دوست تین چار نہیں

چاہیے یوں کہ دور ہو آلام   مے ہو، مطرب ہو، ساقی ہو اور جام
وہ میسر ہو نازنیں گلفام   جس کے دیکھے سے جی کو ہو آرام
لیکن اپنا کچھ اختیار نہیں

ایزد اپنی امان میں رکھے   جب تلک اس جہان میں رکھے
شادی و کھان پان میں رکھے   جاہ و حشمت کی شان میں رکھے
اس سے بہتر کوئی وقار نہیں

ISBN 81-7160-044-1